عمیرہ احمد

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایرِ رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کررہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر مکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سراغ مل جاتا ہے۔

ا۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پارہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سوال

کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ نینسی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک حرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد، مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرادی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کررہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی' اس نے اس بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہورہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہوکر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

5۔ وہ جیسے ہی گھر آیا۔ معمول کے مطابق اس کے دونوں بچے اپنا کھیل چھوڑ کر اس کے گلے آلگے۔ حسب معمول اس کی بیوی نے بھی جو تیسری بار امید سے تھی' اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ وہ لان میں اپنی بیوی بچوں کو مطمئن و مسرور دیکھ کر سوچ رہا ہے کہ اگر وہ چند پیپر پھاڑ کر پھینک دے تو اس کی زندگی آئندہ بھی اسی طرح خوب صورت رہ سکتی ہے۔ مگر وہ ضروری فون آجاتا ہے۔ جس کا وہ انتظار کررہا ہے۔ اب اسے اپنی فیملی اور استعفیٰ میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا تھا۔

8۔ پریذیڈنٹ ایک انتہائی مشکل صورت حال سے دوچار تھا۔ اس کا فیصلہ کانگریس کے الیکشنز پر بری طرح اثرانداز ہو سکتا تھا۔ کیبنٹ کے چھ ممبرز کے ساتھ پانچ گھنٹے کی طویل نشست کے بعد اسے پندرہ منٹ کا وقفہ لینا پڑا تھا۔ فیصلے کی ذمہ داری اس کے سر تھی۔ آخر کار وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

10۔ الزائمر کے مریض باپ کو وہ اپنے ہاتھوں سے یخنی پلا رہا تھا۔ اس کے انداز میں اپنے باپ کے لیے نہایت پیار' احترام اور تحمل ہے۔ اس کے باپ کو معلوم نہیں کہ وہ اس کے ہاتھ سے آخری بار کھانا کھا رہا ہے۔ اس کا سامان ایرپورٹ پر جا چکا ہے اور وہ گاڑی کا انتظار کر رہا ہے۔

Q۔ وہ نیلے رنگ کی شفاف جھیل پر اس کے ہمراہ ہے۔ خوب صورت حسین مناظر میں گھری جھیل میں وہ صندل کی لکڑی کی کشتی میں سوار ہے۔

K۔ وہ تیسری منزل پر بنے اپارٹمنٹ کے بیڈروم کی کھڑکی سے ٹیلی اسکوپ کی مدد سے ساٹھ فٹ کے فاصلے پر اس بینکوئٹ ہال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ ٹائم نو بج کر دو منٹ ہو رہے ہیں۔ پندرہ منٹ بعد وہ مہمان بینکوئٹ ہال میں داخل ہوگا۔ وہ ایک پروفیشنل شوٹر ہے۔ اسے مہمان کو نشانہ بنانے کے لیے ہائر کیا گیا ہے۔

3۔ وہ اس سے اصرار کر رہی ہے کہ نجومی کو ہاتھ دکھایا جائے۔ وہ مسلسل انکار کرتا ہے مگر اس کی خوشی کی خاطر مان لیتا ہے' نجومی لڑکی کا ہاتھ دیکھ کر بتاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر شادی کی دو لکیریں ہیں۔ دوسری لکیر مضبوط اور خوشگوار شادی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ دونوں ساکت رہ جاتے ہیں۔

آدم و حوا

ایک خوب صورت اتفاق نے سالار اور امامہ کو یکجا کر دیا۔ اس نے امامہ کو نو سال بعد دیکھا تھا۔ ان کی ابتدائی زندگی کا پہلا اختلاف لائٹ پر ہوا۔ سالار کو لائٹ آن کر کے سونے کی عادت تھی جبکہ امامہ کو روشنی میں نیند نہیں آتی تھی۔ لیکن سالار نے امامہ کی بات مان لی۔ صبح وہ امامہ کو جگائے بغیر سحری کر کے نماز پڑھنے چلا جاتا ہے' امامہ سحری کے لیے اٹھتی ہے تو فرقان کے گھر سے کھانا آیا رکھا ہوتا ہے۔ امامہ اسے سالار کی بے اعتنائی سمجھتی ہے۔ سعیدہ اماں سے فون پر بات کرتے ہوئے وہ رو پڑتی ہے اور وجہ پوچھنے پر اس کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ سالار کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ سعیدہ اماں کو سالار پر سخت غصہ آتا ہے۔ وہ ڈاکٹر سبط علی کو بھی بتا دیتی ہیں کہ سالار نے امامہ کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ سالار ڈاکٹر سبط علی کے گھر امامہ کا روکھا رویہ محسوس کرتا ہے سعیدہ اماں بھی سالار کے ساتھ ناراضی سے پیش آتی ہیں۔ پھر امامہ اس رات سعیدہ اماں کے ہی گھر رہ جاتی ہے۔ سالار کو اچھا نہیں لگتا مگر وہ منع نہیں کرتا۔ امامہ کو یہ بھی برا لگتا ہے کہ اس نے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔ اس کو سالار سے یہ بھی شکوہ ہوتا ہے کہ اس نے اسے منہ دکھائی نہیں دی۔ سالار اپنے باپ سکندر عثمان کو بتا دیتا ہے کہ اس کی شادی آمنہ نامی جس لڑکی سے ہوئی ہے وہ دراصل امامہ ہے۔ سکندر عثمان اور طیبہ سخت پریشان ہو جاتے ہیں۔ امامہ کو فرقان کے گھر روزانہ کھانا کھانے پر بھی اعتراض ہوتا ہے اور سالار کے سی فوڈ کھانے پر بھی۔ سکندر عثمان' طیبہ اور انیتا ان دونوں سے ملنے آتے ہیں اور امامہ سے بہت پیار سے ملتے ہیں۔ وہ سالار کا ولیمہ اسلام آباد میں کرنے کے بجائے اب لاہور میں کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ ڈاکٹر سبط امامہ سے سالار کے ناروا سلوک کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو وہ شرمندہ سی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بات اتنی بڑی نہیں تھی جتنی اس نے بنا ڈالی تھی۔ سالار' امامہ سے اسلام آباد چلنے کو کہتا ہے۔ تو امامہ خوف زدہ ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر سبط' سالار کو سمجھاتے ہیں۔ وہ خاموشی سے سنتا ہے۔ وضاحت اور صفائی میں کچھ نہیں بولتا مگر ان کے گھر سے واپسی پر وہ امامہ سے ان شکایتوں کی وجہ پوچھتا ہے۔ وہ جواباً" روتے ہوئے وہی بتاتی ہے' جو سعیدہ اماں کو بتا چکی ہے۔ سالار کو اس کے آنسو تکلیف دیتے ہیں' پھر وہ اس سے معذرت کرتا ہے اور سمجھاتا ہے کہ آئندہ جو بھی شکایت ہو' کسی اور سے نہ کرنا' ڈائریکٹ مجھے ہی بتانا' وہ اس کے ساتھ سعیدہ اماں کے گھر سے جہیز کا سامان لے کر آتا ہے' جو کچھ امامہ نے خود جمع کیا ہوتا ہے اور کچھ ڈاکٹر سبط نے اس کے لیے رکھا ہوتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں گھٹیا رومانوی ناول دیکھ کر سالار کو کوفت

ہوتی ہے اور وہ انہیں تلف کرنے کا سوچتا ہے۔ مگر امامہ کی وجہ سے رک جاتا ہے۔ سالار اپنے بینک میں امامہ کا اکاؤنٹ کھلوا کر تیس لاکھ روپے اس کا حق مہر جمع کرواتا ہے۔ وہ امامہ کو لے کر اسلام آباد جاتا ہے اور ایرپورٹ پر اسے بتاتا ہے کہ سکندر عثمان نے منع کیا تھا۔ امامہ کو شدید غصہ آتا ہے۔ گھر پہنچنے پر سکندر عثمان اس سے شدید غصہ کرتے ہیں۔

چوتھی قسط

"السلام علیکم پاپا!" اپنے ہاتھ میں پکڑے بیگز رکھتے ہوئے اس نے پاس آتے ہوئے سکندر عثمان سے ہمیشہ کی طرح یوں گلے ملنے کی کوشش کی تھی جیسے وہ ان ہی کی دعوت اور ہدایت پر وہاں آیا ہے۔
سکندر عثمان نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔
"تمہیں منع کیا تھا نا؟"
"جی۔" سالار نے بے حد تابع داری سے اس سوال کا جواب دیا۔
سکندر عثمان کا دل چاہا کہ وہ اس کا گلا دبا دیں۔
"کیسے آئے ہو؟" چند لمحوں کے بعد انہوں نے اس سے اگلا سوال کیا۔
"ٹیکسی پر۔" جواب کھٹاک سے آیا تھا۔
"ٹیکسی اندر لائے تھے؟"
"نہیں گیٹ پر ہی اترے ہیں۔" وہ نظریں جھکائے بے حد سعادت مندی سے کہہ رہا تھا۔
"تو سسرال والوں کو بھی سلام کر آتے۔" وہ اس بار چپ رہا۔ جانتا تھا نہ یہ سوال ہے نہ مشورہ۔
"بیٹا! آپ کیسی ہیں؟" اسے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے وہ اب امامہ کی طرف بڑھ آئے تھے۔ ان کا لہجہ اب بدل گیا تھا۔ وہ بری طرح گھبرائی ہوئی باپ بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی اور سکندر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ سکندر کے سوال کا فوری طور پر جواب نہیں دے سکی۔
"سفر ٹھیک رہا؟" انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بے حد شفقت سے پوچھا تھا۔ "اور طبیعت ٹھیک ہے، چہرہ کیوں اتنا سرخ ہو رہا ہے؟"
سکندر نے بھی اس کی آنکھوں کی نمی اور پریشانی کو محسوس کیا تھا۔
"جی... وہ... جی..." وہ اٹکی۔
"سردی کی وجہ سے... السلام علیکم ممی... کیسی ہیں آپ؟" سالار نے بیگ دوبارہ کھینچتے ہوئے پہلا جملہ سکندر سے کہا اور دوسرا دور سے آتی ہوئی طیبہ کو دیکھ کر جو اسے دیکھ کر جیسے کراہی تھیں۔
"سالار! کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی، کچھ تو احساس کیا کرو۔" وہ اب ان سے گلے مل رہا تھا۔
"کچھ نہیں ہوتا ممی!" اس نے جواباً کہا۔
"طیبہ! امامہ کو چائے کے ساتھ کوئی میڈیسن دیں اور اب اس ڈنر کو تو رہنے ہی دیں۔" سکندر اسے ساتھ لاتے ہوئے اب طیبہ سے کہہ رہے تھے۔ طیبہ اب سالار کو ایک طرف کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھ آئیں۔
"کیا ہوا امامہ کو؟"
"کچھ نہیں... میں... ٹھیک ہوں۔" اس نے مدافعانہ انداز میں طیبہ سے ملتے ہوئے کہا۔
"آپ لوگ ڈنر پر جائیں، ہماری پروا نہ کریں۔ ہم لوگ کھالیں گے جو بھی گھر میں ہے۔" سالار نے سکندر سے

کہا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ اس وقت لیس انوائٹڈ ہیں' یقیناً" گھر میں اس وقت ڈنر کی کوئی تیاری نہیں کی گئی ہوگی۔
سکندر نے اس کی بات سننے کی زحمت نہیں کی۔ انہوں نے پہلے انٹر کام پر گارڈز کو سیکورٹی کے حوالے سے کچھ ہدایات کیں' اس کے بعد ڈرائیور کو کسی قریبی ریسٹورنٹ سے کھانے کی کچھ ڈشز لکھوائیں اور خانساماں کو چائے کے لیے بلوایا۔
"پلیز پاپا! آپ ہماری وجہ سے اپنا پروگرام کینسل نہ کریں' آپ جائیں۔" سالار نے سکندر عثمان سے کہا۔
"تاکہ تم پیچھے سے ہمارے لیے کوئی اور مصیبت کھڑی کردو۔"
وہ سکندر کے جملے پر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی نے سکندر کو کچھ اور برہم کیا۔ امامہ اگر اس کے پاس نہ بیٹھی ہوتی تو سکندر عثمان اس وقت اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کردیتے۔
"جب میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ فی الحال یہاں مت آنا تو پھر... امامہ! کم از کم تمہیں اسے سمجھانا چاہیے تھا۔"
سکندر نے اس بار امامہ سے کہا تھا جو پہلے ہی بے حد شرمندگی اور حواس باختگی کا شکار ہورہی تھی۔
"پاپا! امامہ تو مجھے منع کررہی تھی' میں زبردستی لایا ہوں اسے۔" امامہ کی کسی وضاحت سے پہلے ہی سالار نے کہا۔
سکندر نے بے حد خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔ ان کی اولاد میں سے کسی نے آج تک ان کے منہ پر بیٹھ کر اتنے فخریہ انداز میں ان کی بات نہ ماننے کا اعلان نہیں کیا تھا۔
سالار سے مزید کچھ کہنے کے بجائے انہوں نے ملازم سے سامان ان کے کمرے میں رکھنے کے لیے کہا۔ اس سارے معاملے پر سالار سے سنجیدگی سے بات کرنا ضروری تھا' لیکن اکیلے میں۔
سالار کے کمرے میں آتے ہی امامہ مقناطیس کی طرح کھڑکی کی طرف گئی تھی اور پھر جیسے سحر زدہ سی کھڑکی کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔ وہاں سے اس کے گھر کا بایاں حصہ نظر آرہا تھا۔ اس کے گھر کا اوپر والا حصہ... اس کے کمرے کی کھڑکیاں... وسیم کے کمرے کی کھڑکیاں... دونوں کمروں میں روشنی تھی لیکن دونوں کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے۔ کوئی ان پردوں کو ہٹا کر اس وقت اس کی طرح آکر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوجاتا تو اسے آرام سے دیکھ لیتا۔ پتا نہیں پہچانتا بھی یا نہیں... وہ اتنی تو نہیں بدلی تھی کہ کوئی اسے پہچان ہی نہ پاتا... اس کے اپنے خونی رشتے تو... پانی سیلاب کے ریلے کی طرح سب بند توڑ کر اس کی آنکھوں سے بہنے لگا تھا۔ یہ کب سوچا تھا اس نے کہ کبھی اپنی زندگی میں وہ دوبارہ اس گھر کو دیکھ سکے گی۔ کیا ضروری تھا کہ یہ سب کچھ اس کی زندگی میں اس کے ساتھ ہوتا۔
وہ بے حد خاموشی کے ساتھ اس کے برابر میں آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے کھڑکی سے نظر آنے والے اس گھر کو دیکھا اور پھر امامہ کی آنکھوں سے بہنے والے پانی کو۔ اسی خاموشی کے ساتھ اس نے امامہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے جیسے اسے دلاسا دینے کے لیے اس کے سر کو چوما۔
"وہ میرا کمرا ہے۔" بہتے آنسوؤں کے ساتھ امامہ نے اسے بتایا۔
"جہاں سے تم مجھے دیکھا کرتی تھیں؟" وہ بہتے آنسوؤں کے بیچ ہنس پڑی۔
"میں تمہیں نہیں دیکھتی تھی سالار!" اس نے احتجاج کیا تھا۔
سالار نے اس کے کمرے کی کھڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"اور مجھے پتا تک نہیں تھا کہ یہ تمہارا کمرا ہے۔ میں سمجھتا تھا' یہ وسیم کا کمرا ہے۔ میں تو کپڑے بھی یہیں بدلا

کرتا تھا۔" سالار کو کچھ تشویش ہوئی۔

"مجھے کیا پتا تم کیا کرتے تھے۔۔۔ میرے کمرے کی کھڑکیاں تو بند ہوتی تھیں۔"

"کیوں؟" سالار نے کچھ حیرانی سے پوچھا۔

"تم شارٹس میں پھرتے تھے بیڈ روم میں اس لیے۔۔۔ اور تمہارے خیال میں میں کھڑکیاں کھلی رکھ سکتی تھی۔۔۔ تمہیں کوئی شرم ہی نہیں تھی۔۔۔ تم کیسے اس طرح اپنے بیڈ روم میں پھر لیتے تھے۔۔۔"

وہ اب آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس پر خفا ہو رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہوا کہ اس نے کتنے آرام سے اس کی توجہ اس طرف سے ہٹائی تھی۔

"تم کس طرح کے انسان تھے؟"

سالار نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

"تمہیں کھانے کا کہنے آیا تھا۔ تم چینج کر لو تو چلتے ہیں۔" اس نے یک دم بات بدلتے ہوئے امامہ سے کہا۔ اس نے سالار کے تاثرات نہیں دیکھے۔ وہ ایک بار پھر کھڑکی سے نظر آنے والا گھر دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ تقریباً" دو بجے کمرے میں آیا اور اس کا خیال تھا کہ امامہ سو چکی ہوگی، مگر وہ ابھی بھی کھڑکی کے سامنے بیٹھی ہوئی باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے گھر کی لائٹس اب آف تھیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر سالار کو دیکھا تھا۔

"سو جانا چاہیے تھا تمہیں امامہ!" اس سے نظریں ملنے پر سالار نے کہا۔

وہ کھڑکیوں کے آگے ایک کرسی رکھے دونوں پاؤں اوپر کیے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔

"سو جاؤں گی۔"

"وہاں سب سو چکے ہیں، دیکھو لائٹس آف ہیں سب بیڈ رومز کی۔"

وہ دوبارہ گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔

سالار چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر واش روم میں چلا گیا۔ دس منٹ بعد کپڑے تبدیل کر کے وہ سونے کے لیے بیڈ پر لیٹ گیا۔

"امامہ! اب بس کرو، اس طرح دیکھنے سے کیا ہوگا؟" بیڈ پر لیٹے لیٹے اس نے امامہ سے کہا۔

"میں نے کب کہا کہ کچھ ہوگا، تم سو جاؤ۔"

"تم وہاں بیٹھی رہو گی تو مجھے بھی نیند نہیں آئے گی۔"

"لیکن میں یہیں بیٹھوں گی۔" اس نے ضدی انداز میں کہا۔

سالار کو اس کی ضد نے کچھ حیران کیا۔ چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد اس نے پھر کہا۔

"امامہ! تم اگر بیڈ پر آ کر لیٹو گی تو یہاں سے بھی تمہارا گھر نظر آتا ہے۔" سالار نے ایک بار پھر کوشش کی تھی۔

"یہاں سے زیادہ قریب ہے۔"

وہ اس بار بول نہیں سکا۔ اس کے لہجے میں موجود کسی چیز نے اس کے دل پر اثر کیا تھا۔ چند گز کا فاصلہ اس کے لیے بے معنی تھا۔ وہ اس کا گھر نہیں تھا۔ چند گز کی نزدیکی اس کے لیے بہت تھی۔ وہ نو سال بعد اس گھر کو دیکھ رہی تھی۔

"ہمارے گھر کے اوپر والے فلور میں ایک کمرا ہے' اس کمرے کی کھڑکیوں سے تمہارے گھر کا لان اور پورچ تک نظر آتا ہے۔" وہ لیٹے لیٹے چھت کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

امامہ یک دم کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس آگئی۔

"کون سا کمرا۔۔۔؟ مجھے دکھاؤ۔" اس کے بیڈ کے قریب کھڑے ہو کر اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"دکھا سکتا ہوں اگر تم سو جاؤ' پھر صبح میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔" سالار نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"میں خود بھی جا سکتی ہوں۔" وہ بے حد خفگی سے سیدھی ہو گئی۔

"اوپر والا فلور لاکڈ ہے۔" امامہ جاتے جاتے رک گئی۔ وہ یک دم مایوس ہوئی تھی۔

"سالار! مجھے لے کر جاؤ اوپر۔۔۔" وہ پھر اس کا کندھا ہلانے لگی۔

"اس وقت تو نہیں لے کر جاؤں گا۔" اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تمہیں ذرا سی بھی محبت نہیں ہے مجھ سے؟" وہ اسے جذباتی دباؤ میں لے رہی تھی۔

"ہے' اسی لیے تو نہیں لے کر جا رہا' صبح وہاں جانا۔ تمہاری فیملی کے لوگ گھر سے نکلیں گے۔ تم انہیں دیکھ سکتی ہو۔ اس وقت کیا نظر آئے گا تمہیں؟" سالار نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے بھی مجھے نہیں پتا کہ کمرے کی چابیاں کس کے پاس ہیں' صبح ملازم سے پوچھ لوں گا۔" سالار نے جھوٹ بولا۔

اوپر کا فلور مقفل نہیں تھا لیکن امامہ کو روکنے کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ کچھ مایوس ہو کر دوبارہ کھڑکی کی طرف جانے لگی۔ سالار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اوپر فلور میں تب ان لاک کرواؤں گا' اگر تم ابھی سو جاؤ۔"

وہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں بیڈ کے اس طرف سوؤں گی۔"

سالار نے ایک لفظ کہے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس نے کمبل ہٹا کر اس کے لیے جگہ بنا دی تھی۔

"اور میں لائٹس بھی آن رکھوں گی۔" وہ اس کی خالی کی ہوئی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

وہ اب کراؤن سے ٹیک لگائے' دونوں گھٹنے سکیڑے بیڈ پر بیٹھی کھڑکی کو دیکھنے لگی تھی۔

"مجھے روشنی میں نیند نہیں آئے گی۔" سالار نے کمبل سے اس کے پاؤں اور ٹانگیں ڈھانپتے ہوئے کہا۔

"تمہیں تو روشنی میں ہی نیند آتی تھی۔" وہ کچھ جز بز ہو کر بولی۔

"اب اندھیرے میں آتی ہے۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تو پھر مجھے روشنی میں ہی نیند آتی ہے۔" سالار نے اپنی مسکراہٹ روکی۔

"تمہیں ایک اچھی بیوی کی طرح اپنے شوہر کی نیند کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔" مصنوعی غصے کے ساتھ سالار نے کچھ آگے جھکتے ہوئے سائیڈ ٹیبل لیمپ اور دوسری لائٹس آف کرنی شروع کر دیں۔

امامہ خفگی سے بیٹھی رہی لیکن اس نے سالار کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ کمرا اب نیم تاریک تھا لیکن بیرونی روشنیوں کی وجہ سے امامہ کا گھر زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔

"اس طرح دیکھنے سے کیا ہو گا؟" سالار اب کچھ جھلا گیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کوئی پردے ہٹا کر کھڑکی میں کھڑا ہو۔"

وہ خواہش نہیں تھی' آس تھی اور وہ اس کی آس کو توڑ نہیں سکتا تھا۔

"صبح گاؤں جانا ہے' ہمیں۔" وہ اب اس کی توجہ اس کھڑکی سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"مجھے نہیں جانا' مجھے یہیں رہنا ہے۔" امامہ نے دوٹوک انکار کیا۔ سالار کو اس کی توقع تھی۔
"تمہیں گاؤں لے جانے کے لیے لے کر آیا تھا۔" سالار نے کچھ خفگی سے کہا۔
"تم جاؤ' مجھے کسی گاؤں میں دلچسپی نہیں ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔
سالار یک دم کمبل ہٹاتے ہوئے بیڈ سے اٹھا اور اس نے پردے برابر کردیے۔ باہر سے آنے والی روشنی بند ہوتے ہی کمرا ایک دم تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ امامہ نے بے حد خفگی کے عالم میں لیٹتے ہوئے کمبل اپنے اوپر کھینچ لیا۔
دوبارہ اس کی آنکھ سالار کے جگانے سے کھلی۔ سحری ختم ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ اس نے اٹھ کر سب سے پہلے کھڑکی کے پردے ہٹائے تھے۔ سالار نے اسے کچھ ہمدردی سے دیکھا۔ وہ انٹر کام اٹھا کر خانساماں کو کھانا کمرے میں لانے کا کہہ رہا تھا۔ امامہ کے کمرے میں لائٹ آن تھی لیکن کھڑکیوں کے آگے اب بھی پردے گرے ہوئے تھے۔
اسے جیسے کچھ مایوسی ہوئی۔ جب تک وہ کپڑے تبدیل کرکے اور منہ ہاتھ دھو کر آئی' تب تک خانساماں کھانے کی ٹرالی کمرے میں چھوڑ گیا تھا۔ انہوں نے بڑی خاموشی کے ساتھ کھانا کھایا اور کھانا ختم کرتے ہی امامہ نے کہا۔
"اب چابیاں لے لو' اوپر چلیں۔"
"مجھے نماز پڑھ کر آنے دو۔"
"نہیں' مجھے اپنا گھر دیکھنا ہے۔"
اس بار سالار نے جیسے امامہ کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے۔ اسے لے کر وہ اوپر کے فلور پر آگیا۔ کمرا کھلا دیکھ کر امامہ نے اسے بے حد خفگی سے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ وہ اس وقت اتنی خوش تھی کہ سالار کی کسی بات پر ناراض نہیں ہو رہی تھی۔
اس کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوتے ہی وہ جیسے سانس لینا بھول گئی تھی۔ وہاں سے اس کے گھر کا پورا لان اور پورچ نظر آرہا تھا۔ لان بالکل بدل گیا تھا۔ وہ ویسا نہیں رہا تھا جیسا کبھی ہوتا تھا' جب وہ وہاں تھی۔ تب وہاں وہ کرسیاں بھی نہیں تھیں' جو پہلے ہوتی تھیں۔ لان میں لگی بیلیں اب پہلے سے بھی زیادہ بڑی اور پھیل چکی تھیں۔ آنسوؤں کا ایک نیا ریلا اس کی آنکھوں میں آیا تھا۔ سالار نے اس دفعہ اسے کچھ نہیں کہا۔ کہنا بے کار تھا۔ اسے فی الحال رونا تھا' وہ جانتا تھا۔
وہ مسجد میں نماز اور کچھ دیر قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس آیا تھا اور حسب توقع تب بھی امامہ کمرے میں نہیں آئی تھی۔
وہ گاؤں جانے کے لیے تیار ہونے کے بعد اسے خدا حافظ کہنے اوپر آیا تھا۔ اسے ساتھ لے جانے کا ارادہ وہ پہلے ہی ترک کرچکا تھا۔
اڑھائی گھنٹے کے بعد بھی وہ کھڑکی کے سامنے اسی طرح کھڑی تھی۔ سالار کے اندر آنے پر بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ سالار نے اسے مخاطب کرنے کے بجائے کمرے میں دور پڑے صوفے کو کچھ جدوجہد کے ساتھ کھڑکی کی طرف دھکیلنا شروع کردیا تھا۔
"یہاں بیٹھ جاؤ' تم کب تک اس طرح کھڑی رہو گی۔"
صوفہ دھکیل کر اس کے قریب لانے کے بعد سالار نے اس کو مخاطب کیا اور تب ہی اس نے امامہ کا چہرہ دیکھا۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اور ناک سرخ تھی ۔ سالار نے گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہاں ایک گاڑی میں کچھ بچے سوار ہو رہے تھے اور ایک عورت ان کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔

"رضوان کے بچے ہیں؟" سالار نے گاڑی کو اسٹارٹ ہوتے دیکھ کر امامہ سے کہا۔

امامہ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر کانپتے ہونٹوں کے ساتھ بس انہیں دیکھ رہی تھی۔ سالار نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ نو سال لمبا عرصہ تھا۔ پتا نہیں مزید ان میں سے کس کو وہ پہچان سکی تھی اور کس کو نہیں اور ان میں سے کس کو وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ عورت اب اندر چلی گئی تھی۔

اس کے کندھوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے سالار نے اس سے کہا "بیٹھ جاؤ!"

امامہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں اور ناک رگڑنے کی کوشش کی۔ صرف چند لمحوں کے لیے اس کا چہرہ خشک ہوا تھا' برسات پھر ہونے لگی تھی۔ سالار پنجوں کے بل اس کے سامنے چند لمحوں کے لیے بیٹھا۔ اس نے امامہ کے دونوں ہاتھ تسلی دینے والے انداز میں اپنے ہاتھ میں لیے۔ اس کے دونوں ہاتھ بے حد سرد تھے۔ وہ اس کے ہاتھ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے کی سردی کو اس نے پہلی بار محسوس کیا تھا۔ ہیٹر آن کرنے کے بعد اس نے کمرے کی الماری میں کوئی کمبل ڈھونڈنے کی کوشش کی اور ایک کمبل اسے نظر آ ہی گیا تھا۔

"میں گاؤں کے لیے نکل رہا ہوں' شام تک واپس آؤں گا۔ دس گیارہ بجے کے قریب پاپا اور ممی اٹھ جائیں گے' تب تم نیچے آجانا۔" اس کی ٹانگوں پر کمبل ڈالتے ہوئے۔ اس نے امامہ سے کہا۔

وہ اب بھی اسی طرح دوپٹے سے آنکھیں اور ناک رگڑ رہی تھی لیکن اس کی نظریں اب بھی کھڑکی سے باہر تھیں۔ سالار اور یہ کمرا جیسے اس کے لیے اہم نہیں رہا تھا۔ وہ اس سے کیا کہہ رہا تھا' اس نے نہیں سنا تھا اور سالار یہ جانتا تھا۔ وہ اسے خدا حافظ کہتے ہوئے چلا گیا۔

وہ اگلے چار گھنٹے اسی طرح صوفے پر جمی بیٹھی رہی۔ اس دن اس نے نو سال کے بعد باری باری اپنے تینوں بھائیوں کو بھی گھر سے جاتے دیکھا تھا۔ وہ وہاں بیٹھی انہیں دیکھتی ہچکیوں سے روتی رہی تھی۔ وہاں بیٹھے ہوئے اسے لگ رہا تھا کہ اس نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔ اسے نہیں آنا چاہیے تھا۔ اتنے سال سے صبر کے جو بند وہ باندھتی چلی آرہی تھی' اب وہ بند باندھنا مشکل ہو رہے تھے۔ وہ پہلے اسلام آباد آنا نہیں چاہتی تھی اور اب یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی۔ ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ اسی طرح چوری چھپے اس گھر میں رہتی' اسی طرح روز اپنے گھر والوں کو دیکھتی رہتی۔ اس کے لیے تو یہ بھی بہت تھا' وہ احمقانہ سوچ تھی' لیکن وہ سوچ رہی تھی۔ وہ ہر بات سوچ رہی تھی جس سے وہ یہاں اپنے ماں باپ کے گھر کے پاس رہ سکتی ہو۔

سالار نے گاؤں پہنچنے کے چند گھنٹے کے بعد سکندر کو فون کیا۔

"میں بھی حیران تھا جب ملازم نے مجھے بتایا کہ وہ اوپر گیسٹ روم میں ہے۔ میں سوچ رہا تھا پتا نہیں وہ وہاں کیا کر رہی ہے۔"

سالار نے انہیں امامہ کو وہاں سے بلوانے کے لیے کہا تھا اور سکندر نے اسے جواباً" کہا۔

"کیا ضرورت تھی اسے خوامخواہ وہاں لے جانے کی' گھر تو اس کا تمہارے کمرے سے بھی نظر آتا ہے۔"

"لیکن گھر والے اسے گیسٹ روم سے ہی نظر آسکتے تھے۔" سالار نے کہا۔

سالار سے بات ختم کرنے کے بعد سکندر اٹھ کر اوپر والے فلور پر چلے گئے۔ دروازے پر دستک دے کر وہ اندر آئے تھے۔

"بیٹا! نیچے آنا تھا ہم لوگوں کے پاس آکر بیٹھیں کچھ دیر۔"

سکندر یہ کہتے ہوئے اندر آئے اور امامہ کچھ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔
وہ ان کے وہاں آنے کی توقع نہیں کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی سکندر ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بری طرح سوجی ہوئی تھیں۔
"رونے والی کیا بات ہے بیٹا...؟" سکندر نے اس کے سر کو تھپکتے ہوئے کہا۔
"نہیں... وہ... میں..." وہ بے حد ندامت سے ان سے نظریں ملائے بغیر بولی۔
"چلیں! نیچے آئیں' طیبہ بھی پوچھ رہی ہیں آپ کا۔" سکندر نے ایک بار پھر اس کا سر تھپکا۔
یہ سالار نہیں تھا' جسے وہ دھڑلے سے انکار کر دیتی۔ "جی۔" اس نے یہ کہتے ہوئے صوفے پر پڑا کمبل اٹھانے کی کوشش کی۔ سکندر نے اسے روک دیا۔
"ملازم اٹھالے گا... آپ آجائیں۔"
اس کا چہرہ دیکھ کر طیبہ بھی بے چین ہو گئیں۔ جیسے بھی حالات میں شادی ہوئی' بہر حال وہ ایک ایسی فیملی تھی۔ جسے وہ طویل عرصے سے جانتے تھے اور جن کی دیوار کے ساتھ ان کی دیوار جڑی تھی۔ اس رشتے کا پاس' بہو ہونے کے ناتے ان پر کچھ زیادہ ذمہ داری عائد کرتا تھا۔ خود وہ بھی امامہ کو بچپن سے دیکھتے آئے تھے۔ کسی نہ کسی حد تک وہ ان کے لیے بے حد شناسا تھی۔
وہ لوگ اسے تسلیاں دیتے اس سے باتیں کرتے رہے۔ پھر سکندر نے اسے آرام کرنے کے لیے کہا۔ وہ کمرے میں آکر کچھ دیر کے لیے کھڑکی کے پاس بیٹھی رہی' پھر کچھ تھکی ہوئی آکر بیڈ پر لیٹ کر سو گئی۔
ساڑھے چار بجے اسے ملازم نے انٹرکام پر اٹھایا تھا۔ افطار کا وقت قریب تھا' سکندر اور طیبہ بھی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ سالار بھی افطار سے چند منٹ پہلے ہی پہنچا تھا۔ سکندر اور طیبہ اس رات بھی کہیں مدعو تھے۔ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر وہ انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے چلے گئے۔ رات کو وہ بارہ بجے کے قریب واپس آئے' گیارہ بجے سالار اور اس کی فلائٹ تھی۔ طیبہ جانے سے پہلے امامہ کو کچھ تحائف دینے آئیں تو امامہ کو وہ تحائف یاد آگئے جو وہ کراچی سے ان دونوں کے لیے لے کر آئی تھی۔
امامہ کو حیرت ہوئی جب سالار' طیبہ سے ملنے کے بعد سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔
"تم مجھے دس بجے اٹھا دینا۔" اس نے امامہ کو ہدایت دی تھی۔
"گیارہ بجے فلائٹ ہے' دیر تو نہیں ہو جائے گی...؟" امامہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
"نہیں' پہنچ جائیں گے۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔
وہ کچھ دیر بیٹھی اسے دیکھتی رہی پھر وہ دوبارہ اوپر کے فلور کے اسی کمرے میں آگئی۔
اس کے گھر کے پورچ میں کوئی گاڑی بھی نہیں کھڑی تھی۔ وہ ویک اینڈ تھا اور وہ یقیناً "گھر پر نہیں تھے۔ کہاں ہو سکتے تھے۔ امامہ نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ نو سال کے بعد یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ اسے امید یہ تھی کہ وہ وہاں بیٹھی انہیں واپس آتے دیکھ سکتی ہے' لیکن دس بجے تک کوئی گاڑی واپس نہیں آئی۔ وہ بوجھل دل اور نم آنکھوں کے ساتھ اٹھ کر نیچے آگئی۔ سالار کو جگانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ جانے کے لیے سامان سمیت کھڑا تھا۔ امامہ کا دل مزید بوجھل ہوا تو بالآخر ایک بار پھر سب کچھ چھوڑ کر جانے کا وقت آگیا تھا۔
باہر پورچ میں ڈرائیور ایک گارڈ کے ساتھ گاڑی میں انتظار کر رہا تھا۔ سکندر عثمان نے گارڈ کو ایئرپورٹ تک ساتھ جانے کی ہدایت کی تھی۔ وہ ہر طرح کی احتیاطی تدابیر کر رہے تھے۔ سالار نے سامان گاڑی میں رکھنے کے بعد چابی ڈرائیور سے لے لی۔ امامہ نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"ہم لوگ بائی روڈ جا رہے ہیں' پاپا آئیں تو انہیں بتا دینا۔"
ڈرائیور نے کچھ احتجاج کرنے کی کوشش کی۔ شاید سکندر اسے ضرورت سے زیادہ ہدایات کر گئے تھے' لیکن سالار کی ایک جھاڑ نے اسے خاموش کر دیا۔

"اور اب اتنی وفاداری دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میرے گھر سے نکلتے ہی پاپا کو فون کر دو۔"
وہ گاڑی میں بیٹھتا ہوا اس سے کہہ رہا تھا۔ اسے یقین تھا وہ اس کے گھر سے نکلتے ہی یہی کام کرے گا۔ اس لیے گیٹ سے نکلتے ہی اس نے سکندر کے فون پر کال کی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لیے سکندر کا فون انگیج کرنا چاہتا تھا۔
"پاپا! ہم لوگ نکل رہے تھے تو سوچا آپ سے بات کرلوں۔" سالار نے سکندر سے کہا۔
"اچھا کیا۔"

"ذرا ممی سے بات کرا دیں۔" اس نے سکندر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سکندر سے کہا۔ اسے خدشہ تھا کہ سکندر ڈرائیور کی ان کمنگ کال دیکھ کر چونکیں گے۔ وہ اگر گاڑی میں ان سے بات کر رہا ہے تو ڈرائیور انہیں کیوں کال کر رہا تھا۔ البتہ طیبہ اس سے بات کرتے ہوئے کسی ان کمنگ کال کو چیک نہ کرتیں اور اگر کرتیں بھی تو ان کو شک نہیں ہوتا۔ اگلے پندرہ منٹ وہ طیبہ کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ ساتھ بیٹھی ہوئی امامہ کچھ حیران تھی۔ لیکن اس نے اسے نظر انداز کیا تھا۔ وہ اتنی لمبی باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا۔ جتنا وہ اب یک دم باتونی ہو گیا تھا۔

ادھر یہی حیرانی طیبہ کو بھی ہو رہی تھی۔ سکندر ڈنر ٹیبل پر چند دوسرے افراد کے ساتھ مصروف تھے۔ پندرہ منٹ لمبی گفتگو کے بعد جب سالار کو یقین ہو گیا کہ ڈرائیور اب تک سکندر کو کئی کالز کرنے کے بعد تنگ آ کر کالز کرنا چھوڑ چکا ہو گا یا کم از کم دوبارہ کرنے کی اگلی کوشش کچھ دیر بعد ہی کرے گا تو اس نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون آف کر دیا۔ طیبہ اور سکندر کی واپسی بارہ بجے سے پہلے متوقع نہیں تھی اور اب اگر ڈرائیور سے پانچ دس منٹ بعد بھی ان کی بات ہوتی تو وہ بہت فاصلہ طے کر چکے ہوتے۔
"بائی روڈ آنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس کا فون بند ہوتے دیکھ کر امامہ نے اس سے پوچھا۔
"یونہی دل چاہ رہا تھا۔ کچھ یادیں تازہ کرنا چاہتا ہوں۔" سالار نے سیل فون رکھتے ہوئے کہا۔
"کیسی یادیں؟" وہ حیران ہوئی۔
"تمہارے ساتھ پہلے سفر کی یادیں۔" وہ کچھ دیر اس سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔
وہ اس شخص سے کیا کہتی کہ وہ اس سفر کو یاد نہیں کرنا چاہتی۔ وہ اس کے لیے سفر نہیں تھا' خوف اور بے یقینی میں گزارے چند گھنٹے تھے جو اس نے گزارے تھے۔ مستقبل اس وقت ایک بھیانک بھوت بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس راستے میں وہ بھوت مسلسل اسے ڈراتا رہا تھا۔
"میرے لیے خوشگوار نہیں تھا وہ سفر۔" اس نے تھکے سے لہجے میں سالار سے کہا۔
"میرے لیے بھی نہیں تھا۔" سالار نے بھی اسی انداز میں کہا۔
"کئی سال ہانٹ کرتا رہا مجھے' دیکھنے آیا ہوں کہ اب بھی ہانٹ کرتا ہے۔" وہ بات ختم کرتے ہوئے اسے دیکھ کر بہت مدھم انداز میں مسکرایا۔
امامہ خاموش رہی۔ کئی سال پہلے کی وہ رات ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگی تھی اور آنکھوں کے سامنے صرف رات ہی نہیں بلکہ جلال بھی آیا تھا۔ اس رات کی تکلیف کا ایک سرا اس کی ذات کے ساتھ بندھا تھا۔ دوسرا اس کی فیملی کے ساتھ۔ اس نے دونوں کو کھویا تھا۔ اگلی صبح کا سورج لاکھ ہمیشہ جیسا ہوتا' اس کی زندگی ویسی نہیں رہی تھی۔ کبھی وہ سوچ سکتی تھی کہ وہ کبھی اس رات کو صرف تکلیف سمجھ کر سوچے گی'

تقدیر سمجھ کر نہیں۔۔۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ برابر میں بیٹھا شخص آج اس کے آنسوؤں سے بے خبر نہیں تھا، لیکن اس وقت بے خبر تھا۔ اس نے کچھ کہے بغیر ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، امامہ آنکھیں پونچھنے لگی تھی۔ وہ سارا نقشہ جو اس نے اپنی زندگی کا کھینچا تھا، اس میں یہ شخص کہیں نہیں تھا۔ زندگی نے کس کو کس کے ساتھ جوڑا۔۔۔ کس تعلق کو کہاں سے توڑا تھا۔۔۔ پتا ہی نہیں چلا۔۔۔ سفر خاموشی سے ہو رہا تھا، لیکن طے ہو رہا تھا۔

"اب بہت احتیاط سے گاڑی چلا رہے ہو۔" امامہ کو کئی سال پہلے کی اس کی ریش ڈرائیونگ یاد تھی۔ "زندگی کی قدر ہو گئی ہے اب؟" اس نے سالار سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے احتیاط کر رہا ہوں۔" وہ بول نہیں سکی۔ خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا۔

وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آئے تھے اور سڑک پر دھند محسوس ہونے لگی تھی۔ یہاں دھند گہری نہیں تھی، لیکن موجود تھی۔

"کبھی دوبارہ سفر کیا اکیلے اس روڈ پہ۔۔۔" امامہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"موٹروے سے جاتا ہوں اب اگر گاڑی میں جانا ہو تو۔ بس ایک بار آیا تھا کچھ ماہ پہلے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "جب بابا نے مجھے تمہارے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ دیا۔ کیا رات تھی؟"

وہ جیسے تکلیف سے کراہا اور پھر ہنس پڑا۔

"امید تھی جس کو اس رات میں نے مجسم فنا ہوتے دیکھا۔ سمجھ میں آیا مجھے کہ تب اس رات تم کس حالت سے گزری ہو گی۔ اذیت سے۔ بہت زیادہ۔۔۔ موت سے ذرا سی کم۔۔۔ لیکن تکلیف اس کو کوئی نہیں کہہ سکتا۔"

ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے، وہ جو کچھ اس تک پہنچانا چاہ رہا تھا، پہنچ رہا تھا۔ اس کانچ سے وہ بھی گزری تھی۔ نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ گردن سیٹ کی پشت سے ٹکائے، وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں سارا راستہ بس یہی سوچتا رہا کہ میں اب کروں گا کیا۔ کیا کروں گا میں زندگی میں سوچ رہا تھا۔ اللہ نے مجھے ضرورت سے زیادہ زندگی دے دی ہے۔۔۔ تمہارے ساتھ برا کیا تھا۔۔۔ برا تو ہونا ہی تھا میرے ساتھ۔۔۔ یاد ہے نا، میں نے تمہارے ساتھ سفر میں کیسی باتیں کی تھیں۔"

اس نے عجیب سے انداز میں ہنس کر ایک لمحہ کے لیے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ایک لمحہ کے لیے دونوں کی نظریں ملی تھیں، پھر سالار نے نظریں چراتے ہوئے گردن سیدھی کر لی۔ سفر پھر خاموشی سے طے ہونے لگا تھا۔ وہ تعلق جو ان کے بیچ تھا، وہ جیسے خاموشی کو بھی گفتگو بنا رہا تھا۔ لفظ اس وقت خاموشی سے زیادہ بامعنی نہیں ہو سکتے تھے۔

امامہ بھی گردن سیدھی کر کے سڑک کو دیکھنے لگی۔ دھند اب گہری ہو رہی تھی۔ جیسے وہ سڑک پر نہیں بلکہ اپنے ماضی کی دھند میں داخل ہو رہے تھے۔ گہری، معدوم نہ ہونے اور ہاتھ کو ہاتھ بجھائی نہ دینے والی گہری دھند۔۔۔ کیا کیا اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی، لیکن جو کچھ تھا، وہ اوجھل ہو گیا تھا، فراموش نہیں ہوا تھا۔

سیل فون کی رنگ ٹون نے ان دونوں کو چونکا دیا۔ سیل پر سکندر کا نمبر چمک رہا تھا۔ سالار ہنس پڑا۔ امامہ اس کی بے مقصد ہنسی کو نہیں سمجھی۔

"ہیلو!" سالار نے کال ریسیو کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا تھا۔ اسے حیرت تھی، سکندر عثمان کی کال اتنی دیر سے نہیں آنی چاہیے تھی۔ شاید ڈرائیور نے ان کے گھر پہنچنے پر ہی انہیں سالار کے ایڈونچر کے بارے میں مطلع کیا تھا۔ سالار نے آواز کچھ کم کر دی تھی۔ جو کچھ سکندر اسے فون پر کہہ رہے تھے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ امامہ تک

پہنچتا۔

"جی.... جی۔" وہ اب تابع داری سے کہہ رہا تھا۔ سکندر اس پر بری طرح برس رہے تھے اور کیوں نہ برستے وہ' انہیں بے وقوف بنانا جیسے سالار کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور یہ احساس سکندر کے غصے میں اضافہ کر رہا تھا۔ انہوں نے کچھ دیر پہلے طیبہ کے پرس میں پڑے اپنے سیل پر ڈرائیور کی مسڈ کالز دیکھی تھیں اور اس سے بات کر کے وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے تھے۔ بائی روڈ لاہور جانا' اس وقت ان کے لیے اس کی حماقت کا اعلا ترین مظاہرہ تھا لیکن اس نے جتنے اطمینان سے ان کی آنکھوں میں دھول جھونکی تھی' وہ ان کے لیے زیادہ اشتعال انگیز تھا۔

"اب غصہ ختم کر دیں پاپا! ہم دونوں بالکل محفوظ ہیں اور آرام سے سفر کر رہے ہیں۔" اس نے بالآخر سکندر سے کہا۔

"تم ظفر کو دھمکیاں دے کر گئے تھے کہ وہ مجھے انفارم نہ کرے؟"

"دھمکی.... میں نے ایک مودبانہ درخواست کی تھی اس سے کہ وہ آپ کو فی الحال انفارم نہ کرے.... آپ ڈنر چھوڑ کر خوامخواہ پریشان ہوتے۔" وہ بڑی رسانیت سے ان سے کہہ رہا تھا۔

"میری دعا ہے سالار! کہ تمہاری اولاد بالکل تمہارے جیسی ہو اور تمہیں اتنا ہی خوار کرے' جتنا تم ہمیں کرتے ہو' پھر تمہیں ماں باپ کی پریشانی کا احساس ہو گا۔" وہ ہنس پڑا۔

"پاپا! اس طرح کی باتیں کریں گے تو میں اولاد ہی پیدا نہیں کروں گا۔"

امامہ نے اس کے جملے پر چونک کر اسے دیکھا۔

"پاپا دعا کر رہے ہیں کہ ہماری اولاد جلد پیدا ہو۔"

امامہ کو چونکتے دیکھ کر سالار نے فون پر بات کرتے ہوئے اسے بتایا۔ وہ بے اختیار سرخ ہوئی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اس طرح کی دعا کا کون سا وقت اور طریقہ ہے۔ دوسری طرف سکندر فون پر اس کا جملہ سن کر کچھ بے بسی سے ہنس پڑے تھے۔ ان کا غصہ کم ہونے لگا تھا۔ کئی سالوں کے بعد انہیں سالار سے اس طرح بات کرنا پڑی تھی۔ وہ اب اس سے پوچھ رہے تھے کہ وہ کہاں ہے۔ سکندر کو اپنے حدود اربعہ کے بارے میں بتا کر سالار نے فون بند کر دیا۔

"پاپا ناراض ہو رہے تھے....؟" امامہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"خوش ہونے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے جواباً" کہا۔

"تم جھوٹ کیوں بولتے ہو؟" امامہ نے جیسے اسے شرم دلانے کی کوشش کی تھی۔

"کیونکہ اگر میں سچ بولوں تو لوگ مجھے وہ نہیں کرنے دیتے' جو میں کرنا چاہتا ہوں۔" کمال کی منطق تھی اور بے حد سنجیدگی سے پیش کی گئی تھی۔

"چاہے تمہارے جھوٹ سے کسی کو دکھ پہنچے۔"

"میرے جھوٹ سے کسی کو دکھ نہیں پہنچتا' بلکہ غصہ آتا ہے۔"

اسے سمجھانا بے کار تھا' وہ سالار تھا۔ وہ اب اندازہ لگا سکتی تھی کہ سکندر نے اسے فون پر کیا کہا ہو گا۔

رات کے تقریباً" پچھلے پہر وہ اس سروس اسٹیشن پر پہنچے تھے۔

"یہ جگہ یاد ہے تمہیں؟" سالار نے گاڑی روکتے ہوئے اس سے پوچھا۔ امامہ نے دھند زدہ اس جگہ کو دیکھا' جہاں کچھ لائٹس دھند اور اندھیرے کا مقابلہ کرنے میں مصروف تھیں۔

"نہیں۔" اس نے سالار سے کہا۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں تم نے رک کر نماز پڑھی تھی۔" وہ دروازہ کھولتے ہوئے نیچے اتر آیا۔

امامہ نے قدرے حیران نظروں سے اس جگہ کو دوبارہ دیکھنا شروع کیا۔ اب وہ اسے کسی حد تک شناخت کرپا رہی تھی۔ وہ بھی دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ ایک کپکپی اس کے جسم میں دوڑی۔ وہ آج بھی ایک سویٹر اور چادر میں ملبوس تھی۔

وہ کمرا بدل چکا تھا' جہاں انہوں نے بیٹھ کر بھی چائے پی تھی۔

"چائے اور چکن برگر۔" سالار نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس آدمی سے کہا' جو جمائیاں لیتے ہوئے انہیں اندر لے کر آیا تھا اور اب آرڈر کے انتظار میں کھڑا تھا۔ امامہ اس کے آرڈر پر اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"اب کھالو گے؟" وہ جانتا تھا' اس کا اشارہ کس طرف تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر مسکرا دیا۔

"لاسٹ ٹائم ہم وہاں بیٹھے تھے۔ تم نے وہاں نماز پڑھی تھی۔"

وہ ہاتھ کے اشارے سے اس کمرے کی مختلف اطراف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ امامہ کو یاد نہیں تھا' کمرے میں جگہ جگہ ٹیبلز اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔

فجر کی اذان میں ابھی بہت وقت تھا اور فی الحال اس جگہ پر کام کرنے والے چند آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

اب اس جگہ پر چائے اور برگر اتنے برے نہیں تھے جتنے اس وقت تھے۔ پریزنٹیشن بھی بہت بہتر تھی' لیکن ان دونوں میں سے کوئی نہ ذائقے کو دیکھ رہا تھا نہ پریزنٹیشن کو۔ دونوں اپنے اپنے ماضی کو زندہ کررہے تھے۔ یہ چند گھونٹ اور چند لقموں کی بات نہیں تھی' زندگی کی بات تھی جو نجانے ریل کی پٹریوں کی طرح کہاں کہاں سے گزر کر ایک اسٹیشن پر لے آئی تھی۔ وہ اس مقام پر کھڑے تھے' جہاں ان پٹریوں کا کانٹا بدلا تھا۔ دور قریب۔۔۔ ایک دوسرے میں مدغم۔۔۔ اور اب ایک دوسرے کے ساتھ۔

اس راستے پر کچھ نئی یادیں بنی تھیں۔ ان کی شادی کے بعد سڑک کے راستے ان کا پہلا سفر اور ان نئی یادوں نے پرانی یادوں کو دھندلانے کے عمل کا آغاز کردیا تھا۔

ٹیبل پر بل کے پیسے رکھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ امامہ نے بھی اس کی پیروی کی۔ سالار نے چلتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑلیا۔ امامہ نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ آئی تھی۔

"امامہ! وہ پسٹل کہاں ہے؟"

وہ عمارت سے باہر آتے ہوئے اس کے سوال پر چونکی۔ اسے کیا یاد آیا تھا' وہ ہنس پڑی۔

"ابو کے پاس ہے۔" اس نے سالار سے کہا۔

"تم واقعی چلا سکتی تھیں؟" سالار نے پتا نہیں کیا یقین دہانی چاہی۔

"ہاں۔" امامہ نے سرہلایا۔

"لیکن اس میں گولیاں نہیں تھیں۔" وہ اس کے اگلے جملے پر بے اختیار ٹھٹکا۔ "میرے پاس بس پسٹل ہی تھا۔" وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

اس نے بے اختیار سانس لیا۔ اس کی آنکھوں میں دھول اس نے جھونکی تھی یا اللہ نے' وہ اندازہ نہیں کرسکا۔ اس پسٹل نے اسے جتنا شاک اور غصہ دلایا تھا اگر اسے اندازہ ہوجاتا کہ وہ بلٹس کے بغیر تھا تو سالار اس دن امامہ کو پولیس کے ہاتھوں ضرور اریسٹ کرواکر آتا۔ وہ پسٹل ہاتھ میں لیے کیوں اتنی پراعتماد نظر آئی تھی اسے۔۔۔ یہ

اسے اب سمجھ میں آیا تھا۔

"تم ڈر گئے تھے۔" امامہ ہنس رہی تھی۔

"نہیں.... ڈرا تو نہیں تھا' مگر شاکڈ رہ گیا تھا۔ تم سارا راستہ روتی رہی تھیں۔ میں توقع بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم مجھ پر پسٹل نکال لوگی۔ تمہارے آنسوؤں نے دھوکا دیا مجھے۔"

وہ اب کچھ خفگی سے کہہ رہا تھا۔ امامہ کھلکھلا کر ہنسی۔

وہ دونوں اب گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ بیٹھنے کے بعد بھی جب وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بجائے' ونڈ سکرین سے باہر دیکھتا رہا تو امامہ نے اس سے کہا۔

"گاڑی کیوں نہیں اسٹارٹ کر رہے؟"

"مجھے کیوں یہ خیال نہیں آیا کہ تمہارا پسٹل خالی بھی ہو سکتا ہے۔ کیوں خیال نہیں آیا....؟" وہ جیسے بڑبڑاتا ہوا ایک بار پھر کراہا۔

"اب رونا مت۔" امامہ نے اسے چھیڑا۔ "ویسے کیا کرتے تم اگر تمہیں یہ پتا چل جاتا؟"

"میں سیدھا جا کر پولیس کے حوالے کرتا تمہیں۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں شرم نہ آتی؟" امامہ بگڑی۔

"تمہیں آئی تھی' جب تم نے مجھ پر پسٹل نکال لیا تھا' میں محسن تھا تمہارا۔" سالار نے بھی اسی انداز میں کہا۔

"محسن تھے.... تم مجھے دھمکا رہے تھے۔"

"جو بھی تھا' کم از کم میں یہ ڈیزرو نہیں کرتا تھا کہ تم گن پوائنٹ پر رکھ لیتیں مجھے۔"

"لیکن میں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔" امامہ نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"تو میں نے کون سا نقصان پہنچایا تھا؟" گاڑی اب دوبارہ مین روڈ پر تھی۔

لاہور کی حدود میں داخل ہونے تک امامہ اس سے ایک بار پھر خفا ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اگلے دو تین دن تک اسلام آباد کے ٹرانس میں ہی رہی.... وہ وہاں جانے سے جتنی خوفزدہ تھی اب وہ خوف یک دم کچھ ختم ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور اس کا حتمی نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ اب اسلام آباد کے اگلے دورے کی منتظر تھی۔ اس گیسٹ روم کی کھڑکی میں کھڑے سارا دن کس کو کس وقت دیکھا تھا' وہ اگلے دو تین دن سالار کو بھی بتاتی رہی اور تیسرے دن اس کی تان ایک جملے پر آکر ٹوٹی تھی۔

"سالار! ہم اسلام آباد میں نہیں رہ سکتے؟"

سالار بیڈ پر بیٹھا لیپ ٹاپ گود میں رکھے کچھ ای میلز کرنے میں مصروف تھا' جب امامہ نے اس سے پوچھا۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اس سے صرف اسلام آباد کی ہی باتیں کر رہی تھی اور سالار بے حد تحمل سے اس کی باتیں سن رہا تھا اور اس کا جواب بھی دے رہا تھا۔

"نہیں۔" اپنے کام میں مصروف سالار نے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ میری جاب یہاں ہے۔"

"تم جاب بدل لو۔"

"نہیں بدل سکتا۔" وہ چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔
"میں اسلام آباد میں نہیں رہ سکتی؟"
اس بار سالار نے بالآخر اسکرین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔
"اس بات کا کیا مطلب ہے؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔
"میرا مطلب ہے کہ میں وہاں رہ لوں گی تم ویک اینڈ پر آجایا کرنا۔"
ایک لمحہ کے لیے سالار کو لگا کہ وہ مذاق کررہی ہے لیکن وہ مذاق نہیں تھا۔
"میں ہر ویک اینڈ پر اسلام آباد نہیں جاسکتا۔" اس نے بے حد تحمل سے اسے بتایا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی۔
سالار دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوگیا۔
"تو تم مہینے میں ایک دفعہ آجایا کرو۔"
وہ اس کے جملے سے زیادہ اس کے اطمینان پر ٹھٹکا تھا۔
"بعض دفعہ میں مہینے میں ایک بار بھی نہیں آسکتا۔" اس نے کہا۔
"تو کوئی بات نہیں۔"
"یعنی تمہیں فرق نہیں پڑتا؟" وہ ای میلز کرنا بھول گیا تھا۔
"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" امامہ نے بے ساختہ کہا۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے احساسات کو اتنی صفائی سے زبان دے گا۔
"پاپا اور ممی اکیلے ہوتے ہیں وہاں اس۔۔۔" سالار نے اس کی بات کاٹی۔
"وہ وہاں اکیلے نہیں ہوتے۔ عمار اور یسریٰ ہوتے ہیں ان کے پاس' وہ دونوں آج کل پاکستان سے باہر ہیں۔ دوسری بات یہ کہ پاپا اور ممی بڑی سوشل لائف گزار رہے ہیں۔ ان کو تمہاری سروسز کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی مجھے ہے۔" سالار نے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا۔
وہ کچھ دیر خاموش اس کی گود میں پڑے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو گھورتی رہی' پھر بڑبڑائی۔
"میں اسلام آباد میں خوش رہوں گی۔"
"یعنی میرے ساتھ خوش نہیں ہو؟" وہ جز بز ہوا۔
"وہاں زیادہ خوش رہوں گی۔" وہ اب بالآخر صاف صاف اپنی ترجیحات بتا رہی تھی۔
"پاپا ٹھیک کہتے تھے مجھے تمہیں اسلام آباد نہیں لے کر جانا چاہیے تھا۔ ماں باپ کی بات سننی چاہیے۔" وہ بے اختیار پچھتایا۔ "دیکھو! اگر میں تمہیں اسلام آباد بھیج دیتا ہوں تو کتنی دیر رہ سکتی ہو تم وہاں' ہمیں اگلے سال پاکستان سے چلے جانا ہے۔" وہ اسے پیار سے سمجھانے کی ایک اور کوشش کررہا تھا۔
"تو کوئی بات نہیں ہم پاکستان تو آیا کرو گے نا۔"
سالار کا دل خون ہوا۔ زندگی میں آج تک کسی نے اس کی ذات میں اتنی عدم دلچسپی نہیں دکھائی تھی۔
"میں امریکا میں رہوں اور میری بیوی یہاں ہو' اتنا ابنارمل لائف اسٹائل نہیں رکھ سکتا میں۔"
اس نے اس بار دوٹوک انداز میں کہا۔ وہ کچھ دیر چپ رہی پھر چند لمحوں کے بعد سالار نے اس کے کندھے پر بے حد محبت اور ہمدردی سے اپنا ہاتھ رکھا۔
"سالار! تم دوسری شادی کرلو اور دوسری بیوی کو ساتھ لے جانا۔"
اس بار جیسے اس کے حواس غائب ہوئے۔ اگر یہ مذاق تھا۔ تو بے ہودہ تھا اور اگر واقعی تجویز تھی تو بے حد

سنگدلانہ تھی۔ وہ کئی لمحے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ شادی کے تیسرے ہفتے اسے دوسری شادی کا مشورہ دے رہی تھی تاکہ وہ اپنے ماں باپ کے قریب رہ سکے۔

"سنو! میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔" امامہ نے اس کے تاثرات سے کچھ نروس ہوتے ہوئے اس سے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ سالار نے بڑی بے رخی سے اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"خبردار! آئندہ میرے سامنے تم نے اسلام آباد کا نام بھی لیا اور اپنے احمقانہ مشورے اپنے پاس رکھو۔ اب میرا دماغ چاٹنا بند کرو اور سو جاؤ۔" وہ بری طرح بگڑا تھا۔

اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر وہ بے حد خفگی کے عالم میں بیڈ روم سے نکل گیا تھا۔ امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے۔ اس وقت اسے واقعی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اپنے ماں باپ کی محبت میں وہ کتنے احمقانہ انداز میں سوچنے لگی تھی۔

لائٹس آف کر کے اس نے کچھ دیر کے لیے سونے کی کوشش کی 'لیکن اسے نیند نہیں آئی۔ اسے بار بار اب سالار کا خیال آ رہا تھا۔ چند لمحے لیٹے رہنے کے بعد وہ یک دم اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ وہ لاؤنج کا ہیٹر آن کیے' قریب پڑے صوفے پر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر ٹھٹکا تھا۔

"اب کیا ہے؟" امامہ کو دیکھتے ہی اس نے بے حد خفگی سے کہا۔

"کچھ نہیں 'میں تمہیں دیکھنے آئی تھی۔" وہ اس کے تختی سے پوچھنے کچھ جز بز ہوئی۔

"کافی بنا دوں تمہیں؟" وہ مصالحانہ انداز میں بولی۔

"مجھے ضرورت ہو گی تو میں خود بنا لوں گا۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

وہ اس کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ کہے بغیر اس نے سالار کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔ یہ ندامت کا اظہار تھا۔ سالار نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ اسے مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے وہ لیپ ٹاپ پر اپنا کام کرتا رہا' لیکن یہ بڑا مشکل تھا۔ وہ اس کے کندھے پر سر ٹکائے اس کے اتنے قریب بیٹھی ہو اور وہ اسے نظرانداز کر دے۔۔۔ کر دیتا اگر صرف اس کی بیوی ہوتی۔۔۔ یہ "امامہ" تھی۔ لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر چلتی اس کی انگلیاں تھمنے لگیں' پھر ایک گہرا سانس لے کر وہ بڑبڑایا۔

"اب اس طرح بیٹھو گی تو میں کام کیسے کروں گا؟"

"تم مجھے جانے کا کہہ رہے ہو؟" امامہ نے برا مانا۔

"میں تمہیں جانے کا کہہ سکتا ہوں؟" اس نے اس کا سر چوما۔ "بہت احمقانہ بات کہی تھی تم نے مجھے۔"

"ایسے ہی کہا تھا' مجھے کیا پتا تھا تم اتنی بدتمیزی کرو گے میرے ساتھ؟" وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"بدتمیزی۔۔۔ کیا بدتمیزی کی ہے میں نے۔۔۔؟ تمہیں ایکسکیوز کرنا چاہیے جو کچھ تم نے مجھ سے کہا۔"

وہ سمجھا' وہ ندامت کا اظہار کرنے آئی ہے' لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ امامہ نے بے حد خفگی سے اس کے کندھے سے اپنا سر اوپر اٹھاتے ہوئے اس سے کہا۔

"اب میں ایکسکیوز کیا کروں تم سے۔۔۔؟"

سالار نے اس کی اٹھی ہوئی ٹھوڑی دیکھی۔ کیا مان تھا۔۔۔؟ کیا غرور تھا۔۔۔؟ جیسے وہ اس سے یہ تو کروا ہی نہیں سکتا تھا۔

"ایکسکیوز کروں تم سے؟" خفا سی آنکھوں اور اٹھی ٹھوڑی کے ساتھ وہ پھر پوچھ رہی تھی۔

سالار نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جھک کر اس کی ٹھوڑی کو چوما' یہ مان اسے ہی رکھنا تھا۔ وہ اس کا سر جھکا

دیکھنے کا خواہش مند نہیں تھا۔
"نہیں' تم سے ایکسکیوز کروا کر کیا کروں گا میں۔"
وہ بے حد نرمی سے اس کی ٹھوڑی کو دوبارہ چومتے ہوئے بولا۔
امامہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔ کیا غرور تھا جو اس کی آنکھوں میں جھلکا تھا۔ ہاں' وہ کیسے اس سے یہ کہہ سکتا تھا۔ اس سے الگ ہوتے ہوئے اس نے سالار سے کہا۔
"اچھا' اب تم ایکسکیوز کرو مجھ سے' کیونکہ تم نے بدتمیزی کی ہے۔"
وہ اب اطمینان سے مطالبہ کر رہی تھی' وہ مسکرا دیا۔ وہ معترف سے اعتراف چاہتی تھی۔
"آئی ایم سوری۔" سالار نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔
"کوئی بات نہیں' اب آئندہ تم یہ نہ کہنا کہ میں اسلام آباد کی بات نہ کروں۔" وہ بے حد فیاضانہ انداز میں اس کی معذرت قبول کرتے ہوئے بولی۔
سالار کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیلی تو سارا مسئلہ اسلام آباد کا تھا۔ اسے شاید یہ خدشہ ہو گیا تھا کہ وہ دوبارہ اسے وہاں نہیں لے کر جائے گا اور وہ اسی خدشے کے تحت اس کے پاس آئی تھی۔ کیا اندازِ دلبری تھا' وہاں اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔ جو بھی تھا' کسی کے طفیل تھا۔ وہ ہنس پڑا۔
"کیا ہوا؟" اس نے الجھ کر سالار کو دیکھا۔
"کچھ نہیں۔" سالار نے ذرا سا آگے جھکتے ہوئے بڑی نرمی اور محبت سے اسے اس طرح گلے لگا کر اس کا سر اور ماتھا چوما' جس طرح وہ روز آفس سے آنے کے بعد دروازے پر اسے دیکھ کر کرتا تھا۔
"گڈ نائٹ۔" وہ اب اسے خدا حافظ کہہ رہا تھا۔
"گڈ نائٹ۔" وہ اپنی شال لپیٹتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر سالار کو دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ الوداعیہ انداز میں مسکرا دی' وہ بھی جواباً" مسکرایا تھا۔ امامہ نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ بہت دیر تک اس بند دروازے کو دیکھتا رہا۔
یہ عورت جس مرد کی زندگی میں بھی ہوتی' وہ خوش قسمت ہوتا لیکن وہ خوش قسمت نہیں تھا۔ "خوش قسمتی" کی ضرورت کہاں رہ گئی تھی اسے!

☼ ☼ ☼

"حبیب صاحب کی بیوی نے کئی چکر لگائے میرے گھر کے... ہر بار کچھ نہ کچھ لے کر آتی تھیں آمنہ کے لیے۔ کہتی تھیں ہمیں جہیز نہیں چاہیے' بس آمنہ کا رشتہ دے دیں۔ کہتی کیا تھیں بلکہ منتیں کرتی تھیں... امامہ کے دفتر اپنے بیٹے کو بھی لے گئیں ایک دن... بیٹا بھی خود آیا ماں کے ساتھ ہمارے گھر... بچپن سے پلا بڑھا تھا میری نظروں کے سامنے۔"
وہ صحن میں چارپائی پر بیٹھا سر جھکائے' سرخ اینٹوں کے فرش پر نظریں جمائے سعیدہ اماں کی گفتگو پچھلے آدھے گھنٹے سے اسی خاموشی کے ساتھ سن رہا تھا۔ اس کی خاموشی سعیدہ اماں کو بری طرح تپا رہی تھی۔ کم بخت نہ ہوں نہ ہاں' کچھ بولتا ہی نہیں۔ مجال ہے ایک بار ہی کہہ دے کہ آپ نے اپنی بچی کی شادی میرے ساتھ کر کے میری بڑی عزت افزائی کی یا یہی کہہ دے کہ بہت گنوں والی ہے آپ کی بچی۔ وہ باتوں کے دوران مسلسل کھول رہی تھیں۔

اتوار کا دن تھا اور وہ امامہ کے ساتھ صبح باقی کا سامان ٹھکانے لگانے آیا تھا۔ وہ الیکٹرونکس اور دوسرے سامان کو کچھ چیریٹی اداروں میں بھجوانے کا انتظام کر کے آیا تھا۔ امامہ نے اس بار اعتراض نہیں کیا تھا لیکن سعیدہ اماں کو ان دونوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ سامان ان کے گھر نہیں، کہیں اور بھجوایا جا رہا ہے۔

سہ پہر ہو رہی تھی اور وہ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہیں دھوپ میں صحن میں بچھی ایک چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔ امامہ اندر کچن میں افطاری اور کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ انہیں آج افطاری وہیں کرنی تھی۔

دھوپ کی وجہ سے سالار نے اپنا سویٹر اتار کر چارپائی کے ایک کونے پہ رکھ دیا تھا۔ جینز کی جیب میں رکھا ایک رومال نکال کر اس نے چہرے پر آئی ہلکی سی نمی کو پونچھا۔ یہ امامہ کے رشتے کی چوتھی داستان تھی، جو وہ سن رہا تھا۔

بیسن کو برتن میں گھولتے ہوئے امامہ نے صحن میں کھلنے والی کچن کی کھڑکی سے سالار کو دیکھا، اسے اس پر ترس آیا۔ وہ کچن میں سعیدہ اماں کی ساری گفتگو سن سکتی تھی اور وہ گفتگو کس حد تک "قابل اعتراض" ہو رہی تھی' وہ اس کا اندازہ کر رہی تھی۔ تین دفعہ اس نے مختلف بہانوں سے سعیدہ اماں کو آکر ٹالنے کی کوشش کی' گفتگو کا موضوع بدلا لیکن جیسے ہی وہ کچن میں آتی' باہر صحن میں پھر وہی گفتگو شروع ہو جاتی۔

"اونچا لمبا جوان ہے۔ قد تم سے کچھ آدھ فٹ زیادہ ہی ہو گا۔"

حبیب صاحب کے بیٹے کا حلیہ بیان کرتے ہوئے سعیدہ اماں مبالغے کی آخری حدوں کو چھو رہی تھیں۔ سالار کا اپنا قد چھ فٹ دو انچ کے برابر تھا اور آدھ فٹ ہونے کا مطلب تقریباً "پونے سات فٹ تھا' جو کم از کم لاہور میں پایا جانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

"اماں! زیرہ نہیں مل رہا مجھے۔" امامہ نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے سعیدہ اماں کو کہا۔

اس کے علاوہ اب اور کوئی بھی چارہ نہیں تھا کہ وہ انہیں اندر بلا لیتی۔

"ارے بیٹا! ادھر ہی ہے جدھر ہمیشہ ہوتا ہے۔ زیرے نے کہاں جانا ہے۔" سعیدہ اماں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

امامہ نے زیرے کی ڈبیا کو سبزی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر اس نے سعیدہ اماں کو زیرے کی تلاش میں مصروف رکھنا تھا' پھر بعد میں کچھ اور کام سونپ دیتی انہیں' وہ پلان کر رہی تھی۔

"مولوی صاحب سے دم والا پانی لا کر دوں گی تمہیں۔۔۔ وہی پلانا۔۔۔ اس سے دل موم ہو گا اس کا۔"

سعیدہ اماں نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے، جو کچھ کہا' وہ نہ صرف امامہ نے' بلکہ باہر صحن میں بیٹھے سالار نے بھی سنا تھا۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔؟" امامہ نے چونک کر پوچھا۔ وہ آلو کاٹ کر بیسن میں ڈال رہی تھی۔

"کیسا پتھر دل ہے اس کا۔۔۔ مجال ہے کسی بھی بات میں ہاں میں ہاں ملائے۔" وہ دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔

"اماں! اب آپ اس طرح کی باتیں کریں گی تو وہ کیسے ہاں میں ہاں ملائے گا۔ آپ نہ کیا کریں اس طرح کی باتیں' اسے برا لگتا ہو گا۔" امامہ نے دبی آواز میں سعیدہ اماں کو منع کیا۔

"کیوں نہ کروں' اسے بھی تو پتا چلے کوئی فالتو چیز نہیں تھی ہماری بچی۔۔۔ لاکھوں میں ایک' جسے ہم نے بیاہا ہے اس کے ساتھ۔۔۔ یہ زیرہ کہاں گیا۔۔۔؟" سعیدہ اماں بات کرتے ہوئے ساتھ زیرے کی ڈبیا کی گمشدگی پر پریشان ہونے لگیں۔

"میں نے آپ سے کہا ہے نا! اب وہ ٹھیک ہے میرے ساتھ۔" امامہ نے اماں کو سمجھایا۔

"تو بڑی صابر ہے بیٹا۔۔۔ میں جانتی نہیں ہوں کیا۔۔۔ بات تو کرتا نہیں میرے سامنے تجھ سے۔۔۔ بعد میں کیا کرتا ہو گا۔" سعیدہ اماں قائل نہیں ہوئی تھیں۔

صحن میں چارپائی پر بیٹھے سالار نے جوتے اتار دیے۔ سویٹر کو سر کے نیچے رکھتے ہوئے وہ چارپائی پر چت لیٹ گیا۔ اندر سے امامہ اور سعیدہ اماں کی باتوں کی آواز اب بھی آرہی تھی لیکن سالار نے ان آوازوں سے توجہ ہٹالی۔ وہ سرخ اینٹوں کی دیوار پر چڑھی سبز پتوں والی بیلیں دیکھ رہا تھا۔ دھوپ اب کچھ ڈھلنے لگی تھی مگر اس میں اب بھی تمازت تھی۔ برابر کے کسی گھر کی چھت سے چند کبوتر اڑ کر صحن کے اوپر سے گزرے۔ ان میں سے ایک کبوتر کچھ دیر کے لیے صحن کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد اس نے دھوپ میں ایسا سکون پایا تھا۔ دھوپ میں سکون نہیں تھا' زندگی میں سکون تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ پھر چند لمحوں کے بعد چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ بڑے غیر محسوس انداز میں اس کے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس نے کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"گردن تھک جاتی اس طرح تمہاری۔" اس نے سالار کا سویٹر نکالتے ہوئے کہا۔

سالار نے کچھ کہے بغیر تکیہ سر کے نیچے لے لیا۔ وہ اس کا سویٹر تہہ کرتے ہوئے۔ اپنے بازو پر ڈالتے اندر چلی گئی۔ ایسی ناز برداری کا کہاں سوچا تھا اس نے... اور وہ ایسی ناز برداری چاہتا بھی کہاں تھا اس سے... ساتھ کی خواہش تھی وہ مل گیا تھا... کچھ اور ملتا نہ ملتا۔ اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

"سو گیا ہے کیا؟" سعیدہ اماں نے کھڑکی سے اسے دیکھتے ہوئے اندر آتی امامہ سے پوچھا۔

"جی' سو رہا ہے۔"

"اچھا میں نے تو سوچا تھا ابھی اور تھوڑا سا سمجھاؤں گی اسے' یہ سو کیوں گیا؟"

سعیدہ اماں کو مایوسی اور تشویش ایک ساتھ ہوئی تھی۔

"تھک گیا ہے اماں... آپ نے دیکھا تو ہے کتنا کام کیا ہے اس نے... مزدوروں کے ساتھ مل کر سامان اٹھوایا' کل بھی گھر میں کام کرواتا رہا ہے۔ آج کل بینک میں بھی بہت مصروف رہتا ہے۔" امامہ مدھم آواز میں اماں کو بتاتی گئی۔

اس نے کچن کی کھڑکی بند کردی تھی۔ سالار کی نیند کتنی کچی تھی' اسے اندازہ تھا۔

"ہاں! لیکن..." امامہ نے بے اختیار سعیدہ اماں کو آہستہ سے ٹوکا۔

"اماں! آہستہ بات کریں' وہ اٹھ جائے گا پھر۔"

"دیکھ' تجھے کتنا خیال ہے اس کا... اور ایک وہ ہے۔" سعیدہ اماں رنجیدہ ہوئیں۔

امامہ اب بری طرح پچھتا رہی تھی۔ سالار کے بارے میں وہ سعیدہ اماں سے اس طرح کی غیبت نہ کرتی تو سعیدہ اماں اسے "قابل اعتبار" سمجھتیں۔ اب مسئلہ یہ ہو رہا تھا کہ سعیدہ اماں کو اس کی لاکھ یقین دہانیوں کے باوجود بیٹھے بٹھائے سالار کی پہلی بیوی کے حوالے سے پتا نہیں کیا کیا خدشات ستاتے رہتے' انہیں جیسے یقین تھا کہ امامہ ان سے ضرور کچھ چھپانے لگی ہے۔ وہ سالار کے ساتھ اتنی خوش نہیں تھی' جتنا وہ ظاہر کرتی تھی' اور اس تاثر کی بنیادی وجہ سالار کی وہ مکمل خاموشی تھی' جو وہ سعیدہ اماں کی امامہ کے سلسلے میں کی جانے والی باتوں پر اختیار کرتا تھا۔ سالار کی خاموشی کی وجہ اس گفتگو کی نوعیت تھی' جو سعیدہ اماں اس سے کرتی تھیں۔

ایک چیز جو امامہ نے اس ساری صورت حال میں سیکھی تھی' وہ یہ تھی کہ اسے اپنے شوہر کے بارے میں' کبھی کسی دوسرے سے کوئی شکایت نہیں کرنی۔ اس کی زبان سے نکلے ہوئے کچھ لفظ اب اسی پر بہت بھاری پڑ رہے تھے۔

"بس افطار اور کھانے کے لیے ہی کچھ... میں نے کتنا سامان منگوایا ہے۔ بیٹا! دو چار کھانے تو بتاؤ' میں نے کہا

بھی تھا ساتھ والوں کی نبیلہ کو بلالو۔" امامہ نے سعیدہ اماں کو ٹوکتے ہوئے کہا جو کچن میں کھانے کے سامان کو تیار ہوتا دیکھ کر چونکیں۔ وہاں مہمان داری کے کوئی انتظامات نظر نہیں آرہے تھے۔

"اماں! سالار نے منع کیا ہے۔ وہ نہیں کھاتا یہ چیزیں۔" امامہ نے چاول نکالتے ہوئے کہا۔

"پہلے اس کو کوئی پکا کر دینے والا نہیں تھا لیکن اب ہے نا۔"

"پکا کر دینے والا ہوتا تو تب بھی نہ کھاتا۔ اماں وہ کھانے پینے کا شوق نہیں ہے۔"

"کسی بھی چیز کا شوق نہیں ہے اسے؟"

"کسی بھی چیز...؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"اماں، جھینگے وغیرہ پسند ہیں اسے، لیکن اب اس وقت وہ تو نہیں کھلا سکتی نا میں اسے۔ آپ کو تو پتا ہے مجھے کتنی گھن آتی ہے اس طرح کی چیزوں سے۔" امامہ نے اماں کو بتایا۔

"لیکن اگر اسے پسند ہے تو بنا دیا کر بیٹا!" امامہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ "ہاں" آسان نہیں تھی اور "نہ" کا مطلب سعیدہ اماں کا ایک لمبا لیکچر سننا تھا۔

☆ ☆ ☆

خون کہاں سے نکل رہا تھا، وہ اندازہ نہیں کر سکا لیکن اس کے ہاتھوں پر خون لگا ہوا تھا۔ وہ ہتھیلیوں کو تکلیف اور خوف کے عالم میں دیکھ رہا تھا، پھر اس نے جھک کر اپنے سفید لباس کو دیکھا۔ اس کا لباس بے داغ تھا۔ پھر ہاتھوں پر لگا ہوا خون... اور جسم میں ہونے والی یہ تکلیف... وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیوں سے خون کے چند قطرے اس کی سفید قمیص کے دامن پر گرے۔

"سالار! عصر کا وقت جا رہا ہے، نماز پڑھ لو۔" وہ ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔

امامہ اس کے پاس کھڑی، اس کا کندھا ہلاتے ہوئے، اسے جگا رہی تھی۔

سالار نے چاروں طرف دیکھا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو، اس کی ہتھیلیاں صاف تھیں۔ اس کا سانس بے ترتیب تھا، امامہ اس کا کندھا ہلا کر چلی گئی تھی۔ سالار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ خواب تھا، جو وہ دیکھ رہا تھا۔ چارپائی پر بیٹھے، اس نے خواب کو یاد کرتے ہوئے کچھ آیات کی تلاوت شروع کر دی۔ وہ بہت عرصے کے بعد کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا۔ صحن کی دھوپ اب ڈھل چکی تھی۔ اس نے بے اختیار اپنی گھڑی پر وقت دیکھا، عصر کی جماعت کا وقت نکل چکا تھا۔ اسے اب گھر میں ہی نماز پڑھنی تھی۔ اپنی جرابیں اتارتے ہوئے بھی وہ خواب کے بارے میں سوچ کر پریشان ہوتا رہا۔ امامہ تب تک اس کا سویٹر اور وضو کرنے کے لیے اندر سے چپل لے آئی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" اسے سویٹر دیتے ہوئے امامہ نے پہلی بار اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ اسے کچھ سرخ لگا تھا۔ اس نے سالار کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کا ٹمپریچر چیک کیا۔

"بخار نہیں ہے، دھوپ میں سونے کی وجہ سے لگا ہوگا۔"

سالار نے سویٹر پہنتے ہوئے اس سے کہا۔ امامہ کو وہ کسی گہری سوچ میں لگا۔

☆ ☆ ☆
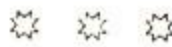
بیت العنکبوت

وہ اس ہفتے پھر اسے اپنے ساتھ کراچی لے کر گیا لیکن اس بار وہ رات کی فلائٹ سے واپس آگئے تھے۔ پہلے کی

طرح اس بار بھی وہ اسی ہوٹل میں رہے۔ سالار اپنے آفس میں مصروف رہا' جبکہ وہ انیتا کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی۔

سالار سے اس کی دوبارہ ملاقات اسی طرح رات فلائٹ سے پہلے ہوئی تھی' وہ کچھ چپ تھی۔ سالار نے نوٹس کیا تھا مگر اس کے ساتھ اس فلائٹ میں اس کے بینک کے کچھ غیر ملکی عہدے داران بھی سفر کر رہے تھے۔ وہ لاؤنج میں ان کے ساتھ مصروف رہا۔ فلائٹ میں بھی وہ سیٹ بدل کر ان کے پاس چلا گیا۔

امامہ سے اس کو بات کرنے کا موقع ایئرپورٹ سے واپسی پر ملا تھا۔ کار پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے امامہ سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

"تم اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"کس سے باتیں کروں... اپنے آپ سے؟ تم تو مصروف تھے۔" امامہ نے جواباً" کہا۔

"چلو' اب بات کرو۔" سالار نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"کیسا رہا آج کا دن؟"

"بس ٹھیک تھا۔"

"بس ٹھیک تھا۔ کہاں گئی تھیں آج تم؟"

اس نے سالار کو ان دو تین جگہوں کے نام بتائے' جہاں وہ انیتا کے ساتھ گئی تھی مگر سالار کو اس کے انداز میں جوش کا وہ عنصر نظر نہیں آیا تھا جو پچھلی بار تھا۔

"تمہاری پے کتنی ہے سالار؟" وہ چند لمحوں کے لیے ٹھٹکا۔

وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ وہ بے اختیار ہنس دیا۔ فوری طور پر اس سوال کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"نو کمنٹس۔"

"میں سیریس ہوں۔"

"میں بھی سیریس ہوں۔ میں شوہر ہوں تمہارا' لیکن بے وقوف نہیں ہوں۔"

"جس اپارٹمنٹ میں ہم رہ رہے ہیں' وہ تمہارا ذاتی ہے؟"

اگلے سوال نے سالار کو اور حیران کیا تھا۔ وہ اب بھی بے حد سنجیدہ تھی۔

"نہیں' یہ رینٹڈ ہے لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو یہ سب کچھ...؟"

اپنے جواب پر اسے امامہ کے چہرے پر مایوسی اتنی صاف نظر آئی کہ وہ بھی یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی' تمہارا اپنا ہو گا۔"

وہ اب اسے کچھ سوچتی ہوئی لگی۔ سالار بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ تم نے مجھے جو پیسے دیے ہیں' اس سے کوئی پلاٹ لے لیں۔"

"امامہ... کیا پرابلم ہے؟" سالار نے اس بار اس کے کندھوں کے گرد اپنا بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"کوئی پرابلم نہیں ہے' اپنا گھر تو بنانا چاہیے نا ہمیں۔" وہ اب بھی سنجیدہ تھی۔

"تم انیتا کا گھر دیکھ کر آئی ہو؟" ایک جھماکے کی طرح سالار کو ایک خیال آیا تھا۔ انیتا کچھ عرصے تک اپنے نئے گھر میں شفٹ ہونے والی تھی اور ان دنوں اس کے گھر کا انٹیریر ہو رہا تھا۔

"ہاں۔" امامہ نے سر ہلایا' سالار نے گہرا سانس لیا۔ اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔

"بہت اچھا گھر ہے نا اس کا؟" وہ اب سالار سے کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں بے حد اشتیاق تھا۔

"ہاں' اچھا ہے۔" سالار نے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

چار کنال پر محیط انیتا کے گھر کو کراچی کے ایک معروف آرکیٹکچر نے ڈیزائن کیا تھا۔ اس کے برے ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم نے سوئمنگ پول کی بوٹ دیکھی ہے؟"

"نہیں' میں نے کافی مہینوں پہلے اس کا گھر دیکھا تھا' تب انٹیریر شروع نہیں ہوا تھا۔"

"ویسے سوئمنگ پول میں بوٹ کا کیا کام؟"

"اصلی والی نہیں ہے' چھوٹی سی ہے' لکڑی کی لگتی ہے لیکن کسی اور میٹریل کی ہے۔ اس پر ایک چھوٹی سی ونڈمل ہے اور وہ ہوا سے اس سارے سوئمنگ پول میں حرکت کرتی رہتی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھتا' اس کی بات سنتا رہا۔ وہ اسے اس کشتی کی ایک ایک چیز بتا رہی تھی۔

"انیتا نے بڑا ظلم کیا ہے' مجھ پر۔" اس کے خاموش ہونے پر سالار نے کہا۔

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"میری شادی کے تیسرے ہی ہفتے میری بیوی کو اپنا گھر دکھا دیا۔" وہ بڑبڑایا۔

"کہیں زمین خرید لیتے ہیں سالار!" امامہ نے اس کی بات نظر انداز کی۔

"امامہ! میرے پاس دو پلاٹ ہیں' پاپا نے دیے ہیں۔ اسلام آباد میں تو گھر بنانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ جب بنانا ہوگا' بنالیں گے۔" سالار نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

وہ یک دم پرجوش ہوئی۔ "کتنے بڑے پلاٹ ہیں؟"

"دس دس مرلے کے ہیں۔"

"بس ...؟ کم از کم ایک' دو کنال تو ہونا چاہیے۔" وہ مایوس سی ہوئی تھی۔

"ہاں' دس مرلے کم ہے۔ دو کنال تو ہونا ہی چاہیے۔" سالار نے تائید کی۔

"نہیں' دو نہ ہو۔ ایک ہی ہو جائے۔ ایک بھی بہت ہے ... اس میں ایک سبزیوں کا فارم بنائیں گے' جانور بھی رکھیں گے۔ ایک سمر ہاؤس بنائیں گے' ایک گزیبو بنائیں گے اور ایک فش فارم بھی بنالیں گے۔"

سالار کو لگا کہ امامہ کو جگہ کا اندازہ کرنے میں غلطی ہوئی تھی۔

"ایک کنال میں یہ سب کچھ نہیں بن سکتا امامہ!" اس نے مدھم آواز میں اس سے کہا' وہ چونکی۔

"لیکن میں تو ایکڑ کی بات کر رہی تھی۔"

وہ چند لمحے بھونچکا سا رہ گیا۔

"اسلام آباد میں تمہیں ایکڑز میں زمین کہاں سے ملے گی؟" چند لمحوں کے بعد اس نے سنبھل کر کہا۔

"اسلام آباد سے باہر تو مل سکتی ہے نا؟" امامہ سنجیدہ تھی۔

"تم پھر گھر نہ کہو' یہ کہو کہ فارم ہاؤس بنانا چاہتی ہو تم۔"

"نہیں' فارم ہاؤس نہیں' ایک بڑی سی کھلی سی جگہ پر ایک چھوٹا سا گھر ... جیسے کوئی وادی ... اس طرح کی وادی میں گھر۔"

"پاپا کا بھی ایک فارم ہاؤس ہے' کبھی کبھار جاتے ہیں ہم لوگ ... تمہیں بھی لے جاؤں گا وہاں۔" سالار نے اسے پھر ٹالا۔

"میں فارم ہاؤس کی بات نہیں کر رہی' اصلی والے گھر کی بات کر رہی ہوں۔" امامہ اب بھی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

"جس طرح کا میرا پروفیشن ہے امامہ! اس میں میں فارم ہاؤسز یا شہر سے باہر رہائش رکھنا افورڈ نہیں کر سکتا۔ کم از کم جب تک میں کام کر رہا ہوں' تب تک مجھے بڑے شہروں میں رہنا ہے اور بڑے شہروں میں اب بہت مشکل ہے' ایکڑز میں شہر کے اندر کوئی گھر بنانا۔ یہ تمہارے ان رومانٹک ناولز میں ہو سکتا ہے' لیکن رئیل لائف میں نہیں' جو چیز ممکن اور پریکٹیکل ہے وہ یہ ہے کہ چند سالوں کے بعد کوئی لگژری فلیٹ لے لیا جائے یا دو چار کنال کا کوئی گھر بنا لیا جائے یا چلو پانچ چھ کنال بھی ہو سکتا ہے' لیکن کسی اچھی جگہ۔ پر اس سے بڑا گھر افورڈ ایبل نہیں ہو گا۔ ہاں! یہ ضرور کر سکتا ہوں کہ پانچ دس سال بعد لاہور یا اسلام آباد سے باہر کہیں ایک فارم ہاؤس بنا لیا جائے' لیکن میں جانتا ہوں' بیس یا تیس سال میں ہم دس یا بیس بار سے زیادہ نہیں جا پائیں گے وہاں وہ بھی چند دنوں کے لیے' لیکن وہ ایک سفید ہاتھی ثابت ہو گا ہمارے لیے' جس پر ہر ماہ ہمارے اخراجات ہوں گے۔"

سالار کو اندازہ نہیں ہوا کہ اس نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی صاف گوئی کا مظاہرہ کر دیا ہے۔ امامہ کا رنگ کچھ پھیکا سا پڑ گیا تھا۔ وہ حقیقت تھی' جو وہ اسے دکھا رہا تھا۔ سالار نے اسے دوبارہ بولتے نہیں دیکھا۔ گھر پہنچنے تک وہ خاموش رہی اور پورا راستہ اس کی خاموشی اسے چبھی تھی۔

"اچھا ہم گھر کا ایک اسکیچ بناؤ' میں دیکھوں گا اگر فیزیبل ہوا تو بنایا جا سکتا ہے۔"

یہ اس نے سونے سے پہلے سرسری انداز میں امامہ سے کہا تھا اور ایک سیکنڈ میں امامہ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوتے دیکھا۔ ایک چھوٹی سی بات اسے اتنا خوش کر دے گی' اسے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ سحری کے وقت وہ جب الارم کی آواز پر اٹھا تو وہ بستر میں نہیں تھی۔

"تم آج پہلے اٹھ گئیں۔"

وہ کچن میں کام کر رہی تھی' جب سالار سحری کے لیے وہاں گیا۔ وہ جواب دینے کے بجائے مسکرائی تھی۔ سالار کو حیرت ہوئی' آج اس نے سحری ختم کرنے میں بڑی عجلت دکھائی تھی اور کیوں دکھائی تھی' یہ راز زیادہ دیر تک راز نہیں رہا تھا۔ کھانا ختم کرتے ہی وہ اپنی اسکیچ بک اٹھا لائی تھی۔

"یہ میں نے اسکیچ کر لیا ہے۔ جس طرح کا گھر میں کہہ رہی تھی۔"

سحری کرتے ہوئے سالار بری طرح چونکا تھا۔ وہ اپنی کسی ہدایت پر اتنے فوری عمل درآمد کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ وہ اسکیچ بک اس کے سامنے کھولے بیٹھی تھی۔ ٹشو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اس اسکیچ بک کو تھامے سالار نے ایک نظر اس پر ڈالی اور دوسری اس گھر پر' جو سامنے اسکیچ میں نظر آ رہا تھا۔ گھر سے زیادہ اسے ایک اسٹیٹ کہنا زیادہ بہتر تھا۔ اس نے گھر میں ہر وہ چیز شامل کی تھی جس کا ذکر اس نے اس سے رات کو کیا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ پہلے وہ اسے زبانی بتا رہی تھی' اب وہی سب کچھ ایک ڈرائنگ کی شکل میں اس کے سامنے تھا۔

پہاڑوں کے دامن میں' کھلے سبزے میں' ایک چھوٹا سا گھر' جس کے سامنے ایک جھیل تھی اور اس کے اردگرد وہ چھوٹے چھوٹے اسٹرکچرز تھے' جس کا وہ ذکر کر رہی تھی' گزیبو اور سمر ہاؤس۔ اس نے اپنے اسکیچز کو کلر بھی کیا ہوا تھا۔

"اور یہ آگے بھی ہے...." اس نے سالار کو اسکیچ بک بند کرتے دیکھ کر جلدی سے اگلا صفحہ پلٹ دیا۔

وہ اس کے گھر کا یقیناً "عقبی حصہ تھا' جہاں پر ایک اصطبل اور پرندوں کی مختلف قسم کی رہائش گاہیں بنائی گئی تھیں۔ اس میں وہ فش فارم بھی تھا' جس کا وہ رات کو ذکر کر رہی تھی۔

"تم رات کو سوئی نہیں؟" اسکیچ بک بند کرتے ہوئے سالار نے اس سے پوچھا۔

وہ اسکیچز گھنٹوں کی محنت کے بغیر نہیں بن سکتے تھے۔ امامہ کو اس تبصرے نے جیسے مایوس کیا۔ وہ اسکیچز دیکھنے پر سالار سے کسی اور بات کے سننے کی توقع کر رہی تھی۔

"اچھا ہے نا؟" اس نے سالار کے سوال کا جواب دیے بغیر کہا۔
کانٹا ہاتھ میں لیے وہ بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ جو اس کے لیے گھر تھا' وہ اس کے لیے اب بھی فارم ہاؤس ہی تھا اور آسان نہیں تھا لیکن وہ ایک بار پھر اس بات پر بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"بہت اچھا ہے۔" ایک لمبی سی خاموشی کے بعد کہے جانے والے اس جملے پر وہ بے اختیار کھل اٹھی تھی۔
"تمہارے دونوں پلاٹس بیچ کر ہم کسی جگہ پر' ذرا بڑی جگہ۔۔۔"
"ذرا بڑی جگہ۔۔۔؟ ایک ایکڑ کی بات کر رہی ہو کم از کم تم۔۔۔ اور زمین تو چلو کسی نہ کسی طرح آ ہی جائے گی لیکن اس گھر کی مینٹیننس کے اخراجات۔۔۔ ویل۔۔۔ مجھے کم از کم کروڑپتی ہو کر مرنا پڑے گا اگر ارب پتی نہیں تو۔۔۔"
سالار نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
امامہ نے بے حد خفگی سے اسکیچ بک بند کر دی۔
"ٹھیک ہے' میں نہیں کروں گی اب گھر کی بات۔"
وہ پلک جھپکتے میں اٹھ کر اپنی اسکیچ بک کے ساتھ غائب ہو گئی تھی۔
وہ کانٹا ہاتھ میں پکڑے بیٹھا رہ گیا۔ یہ ایک بے حد مضحکہ خیز صورت حال تھی جس کا وہ سامنا کر رہا تھا۔ سالار سحری ختم کر کے بیڈ روم میں آ گیا۔ امامہ صوفے پر اسکیچ بک کھولے بیٹھی تھی۔ سالار کو دیکھ کر اس نے اسکیچ بک بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔
"اگر تمہیں فوری طور پر گھر چاہیے تو میں خرید دیتا ہوں تمہیں۔"
اس نے بے حد سنجیدگی سے اس کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"مجھے اس طرح کا گھر چاہیے۔" اس نے پھر اسکیچ بک اٹھالی۔
"ایک ایکڑ ہو یا نہ ہو' لیکن ایسا ایک بنا دوں گا میں تمہیں۔ وعدہ۔ لیکن اب یہ ہوم مینیا کو اپنے سر سے اتار دو۔" وہ امامہ کا کاندھا تھپکتے ہوئے اٹھ گیا۔
وہ بے اختیار مطمئن ہو گئی۔ وعدہ کا لفظ کافی تھا فی الحال اس کے لیے۔۔۔ "وعدہ" کو "گھر" بنانا زیادہ مشکل نہ ہوتا اس کے لیے۔

☼ ☼ ☼

ماہ رمضان کے باقی دن بھی اسی طرح گزرے تھے۔ عید کے فورا" بعد سالار کا بینک کوئی نیا انویسٹمنٹ پلان لانچ کرنے والا تھا اور وہ ان دنوں اسی سلسلے میں بے حد مصروف رہا تھا۔ امامہ کے لیے مصروفیت کا دائرہ گھر سے شروع ہو کر گھر پر ہی ختم ہو جاتا تھا۔ وہ اسے دن میں دو تین بار بینک سے چند منٹ کے لیے کال کر کے' حال احوال پوچھتا اور فون رکھ دیتا۔
امامہ کا خیال تھا' وہ وقتی طور پر مصروف ہے' اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ وقتی طور پر اپنی مصروفیت کو حتی الامکان کم کیے ہوئے تھا۔
بازاروں میں عید کی تیاریوں کی وجہ سے رش بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی مصروفیت کے باوجود اسے رات کو ایک آدھ گھنٹے کے لیے باہر لے جایا کرتا تھا۔ دونوں کافی پیتے' بعض دفعہ گاڑی میں بیٹھے رہتے یا ونڈو شاپنگ کرتے' بے مقصد باتیں کرتے۔ وہ روزانہ رات کو اس ایک گھنٹے کا انتظار کرتی تھی۔ وہ ایک گھنٹہ اس کی زندگی کی وہ کھڑکی تھی' جس سے باہر جھانکنا اسے پسند تھا اور سالار اس سے واقف تھا۔
وہ دنیا جس پر وہ سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ جاتا تھا' وہ امامہ کے لیے اتنے سالوں کے بعد ایک فینٹسی ورلڈ کی

حیثیت اختیار کرچکی تھی۔ لاہور کی سڑکوں، چوکوں اور مارکیٹوں میں پہلے کیا تھا اور اب کیا نہیں ہے۔ سالار نے اس پر کبھی غور نہیں کیا تھا اور وہ ہر بار کسی نئی چیز کو دیکھ کر بڑے نوسٹلیجک انداز میں اس کو بتاتی کہ کئی سال پہلے جب وہ وہاں آئی تھی تو وہاں کون سی چیز کیسے ہوا کرتی تھی۔

وہ اس کا چہرہ دیکھتا، خاموشی سے اس کی باتیں سنتا تھا۔ وہ جیسے اس سے زیادہ خود کو بتا رہی ہوتی تھی۔ کولمبس کی طرح وہ پہلے سے موجود دنیا کو پھر سے دریافت کر رہی تھی اور وہ خوش تھی کہ کہیں نہ کہیں خوشی کا ایک احساس اب اس کے ہمراہ رہنے لگا ہے۔ اسے حیرت ہوتی تھی کہ وہ سالار کے ساتھ کیونکر خوش ہے اور وہ بھی اتنی آسانی کے ساتھ؟

اس کے لیے اسے اتنی جلدی قبول کرنا، اتنا آسان کیسے ہو گیا تھا۔ اتنی جلدی سب کچھ بھول جانا اور اس سے آگے وہ اپنی سوچ کے سارے دروازے بند کر لیتی تھی۔ جو کچھ وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی، وہ اب اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کم از کم ابھی کچھ عرصہ کے لیے تو نہیں۔ کچھ عرصہ وہ زندگی کو بے بسی کے ساتھ نہیں بلکہ صرف خوشی کے احساس کے ساتھ جینا چاہتی تھی۔

وہ عید سے دو دن پہلے اسلام آباد آ گئے تھے۔ کامران اور معیز اپنی فیملیز کے ساتھ عید کے لیے پاکستان آئے تھے۔ عمار اور اس کی فیملی بھی واپس آ چکی تھی۔ وہ ان سے فون پر بات کر چکی تھی، لیکن سالار کی بیوی کے طور پر ان سب سے یہ اس کی پہلی ملاقات تھی۔ وہ جتنی پریشان سالار کے والدین سے پہلی ملاقات کے وقت تھی اب اتنی نہیں تھی۔ وہ سب بھی اس سے بے حد دوستانہ انداز میں ملے تھے۔ وہ کون تھی؟ وہ سب پہلے ہی سے جانتے تھے۔ لہٰذا اس پر سوالات کی بوچھاڑ نہیں ہوئی تھی۔ ہر ایک فی الحال محتاط تھا۔

وہ سکندر عثمان کے وسیع و عریض سٹنگ ایریا میں بیٹھی، وہاں موجود تمام لوگوں کی گپ شپ سن رہی تھی اور ادھر ادھر بھاگتے، دوڑتے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ سالار کے تینوں بھائیوں کی سسرال اسلام آباد میں ہی تھی اور اس وقت موضوع گفتگو تینوں بھائیوں کی سسرال کی طرف سے آئے ہوئے وہ قیمتی سسرالی تحائف تھے، جو عید پر ان کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان کی سسرال کی طرف سے نہ صرف بیٹی، داماد اور ان کے بچوں کے لیے تحائف بھیجے گئے تھے بلکہ سکندر اور طیبہ کے لیے بھی چیزیں بھیجی گئی تھیں۔ وہ لوگ ڈنر کے بعد وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور گفتگو کا موضوع فی الحال وہی تحائف ہی تھے۔ وہاں بیٹھے ان باتوں کو سنتے ہوئے امامہ کو شدید احساس کمتری ہوا۔ اس کے اور سالار کے پاس وہاں کسی دوسرے سے کسی تحفے کی تفصیلات شیئر کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

اسلام آباد آنے سے پہلے ڈاکٹر سبط علی، سعیدہ اماں اور فرقان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی بیٹیوں نے بھی اس کے لیے کچھ کپڑے بھجوائے تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز اس کے اپنے ماں باپ کے گھر سے نہیں آئی تھی، وہ دوسروں کی طرف سے آنے والے تحائف تھے۔ کچھ چیزوں کی کمی اس کی زندگی میں ہمیشہ رہنی تھی اور یہ ان ہی میں سے ایک چیز تھی۔ معمولی تھی لیکن بھول جانے والی نہیں تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح کے شدید احساس کمتری کا شکار ہو رہی تھی اور اس احساس کو یہ خیال اور بھی بڑھا رہا تھا کہ سالار بھی اسی طرح کی باتیں سوچ رہا ہو گا۔ اگر وہ کسی اور لڑکی سے شادی کرتا تو آج اس کے پاس بھی بات کرنے کے لیے تحائف کی لمبی لسٹ ہوتی یا ان چیزوں کی تفصیلات ہوتیں، جو اس نے سسرال سے آنے والی عید کی رقم سے خریدی ہوتیں۔ سالار چائے پیتے ہوئے خاموش بیٹھا وہاں ہونے والی گفتگو سن رہا تھا اور وہ اس کی خاموشی کو اپنی مرضی کا مفہوم دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

”تم نے کیا بنوایا ہے عید کے لیے؟“ کامران کی بیوی زوبا نے اچانک اس سے پوچھا۔

”میں نے۔۔۔؟“ وہ گڑبڑائی۔

چند لمحوں کے لیے سب کی نظریں اس پر جم گئی تھیں۔
"سالار نے کپڑے لے کر دیے ہیں مجھے۔ قمیص شلوار ہی ہے۔"
وہ خود نہیں سمجھ پائی کہ اسے یہ بتاتے ہوئے اتنی ندامت کیوں ہوئی تھی۔
"امامہ کے لیے تو عید کے کپڑے میں نے بھی بنوائے ہیں۔ یہ پہلی عید ہے اس کی۔ تم عید پر تو میرے والے کپڑے ہی پہننا۔" طیبہ نے مداخلت کرتے ہوئے اسے بتایا۔
امامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے کندھوں کے بوجھ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"صبح تم چل رہی ہو میرے ساتھ؟"
سالار نائٹ ڈریس میں ملبوس چند لمحے پہلے واش روم سے نکلا تھا۔ پہلے کی طرح اس بار بھی وہ اسی کھڑکی کے آگے کھڑی تھی۔
"ہاں۔" اس نے سالار کو دیکھے بغیر کہا۔
"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے امامہ کو غور سے دیکھا۔ اسے اس کا لہجہ بے حد بجھا ہوا لگا تھا۔
"ہاں۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔
سالار کمبل کھینچتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گیا۔ امامہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ اپنے سیل پر الارم سیٹ کر رہا تھا' اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر اس کی طرف آ گئی۔ بیڈ کے قریب آنے پر الارم سیٹ کرتے ہوئے سالار نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہے بغیر اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔ سیل فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ حیران ہوا تھا۔ وہ پریشان تھی' یہ پوچھنے کے لیے اب اسے اس سے تصدیق کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اس کا چہرہ سب کچھ بتا رہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح اب بھی اس کی اداسی کو اسلام آباد آنے کا نتیجہ سمجھا تھا۔ لیٹے لیٹے سالار نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ اس کے ہاتھ کی گرفت میں اپنے ہاتھ کو دیکھتی رہی' پھر اس نے نظریں اٹھا کر سالار کو دیکھا۔
"تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" وہ چند لمحوں کے لیے بھونچکا سا رہ گیا تھا۔

"پھر کس سے شادی کرنی چاہیے تھی؟" وہ حیران ہوا۔
"کسی سے بھی.... میرے علاوہ کسی سے بھی۔"
"اچھا مشورہ ہے لیکن دیر سے ملا ہے۔" اس نے بات مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔ امامہ نے ہاتھ چھڑا لیا۔
"تم پچھتا رہے ہو نا اب؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"میں کیوں پچھتاؤں گا؟" وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔
"تمہیں پتا ہو گا۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو سالار نے اسے روکا۔
"نہیں' مجھے نہیں پتا' تم بتا دو....." وہ واقعی حیرت زدہ تھا۔
"تمہارا بھی دل چاہتا ہو گا کہ کوئی تمہیں بھی کپڑے دے.... تحائف دے اور....." وہ بات مکمل نہیں کر سکی۔
اس کی آواز پہلے بھرائی' پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے۔
وہ ہکا بکا اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جو بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی' وہ اس کے لیے احساس جرم بن

رہی تھی۔

"میرے خدایا امامہ! تم کیا کیا سوچتی رہتی ہو؟" وہ واقعی ششدر تھا۔

وہ اپنی آنکھوں کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔

آنکھیں آنسو بہانا جانتی ہیں' آنسوؤں کو روکنا نہیں جانتیں۔

"بس تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

یہ اس نے آنسو روکنے اور آنکھیں رگڑنے کی جدوجہد میں کہا تھا۔ وہ بہت دل برداشتہ تھی۔ بات تحفوں کی نہیں تھی ہتک کے اس احساس کی تھی جو لاؤنج میں سب کے درمیان بیٹھے اس نے ان چند گھنٹوں میں محسوس کیا تھا۔ سالار نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اسے گلے لگا کر تسلی دینے والے انداز میں تھپکا۔ اسے تسلی نہیں ہوئی' وہ اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔ آدھے گھنٹے تک واش روم میں آنسو بہاتے رہنے کے بعد' اس کے دل کا بوجھ تو ہلکا نہیں ہوا' البتہ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ جب واپس کمرے میں آئی تو وہ کمرے کی لائٹ آن کیے اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ امامہ کو کچھ شرمندگی ہوئی۔ وہ اس سے کچھ نہ ہی کہتی تو ٹھیک تھا۔ وہ اس سے نظریں ملائے بغیر بیڈ کی دوسری طرف جا کر لیٹ گئی۔ وہ بھی لائٹس آف کر کے لیٹ گیا۔ اس نے امامہ کو مخاطب نہیں کیا تھا اور یہ جیسے اس کے لیے نعمت مترقبہ تھی۔

☼ ☼ ☼

"امامہ بی بی! آپ اتنی عقل مند ہیں نہیں' جتنا میں آپ کو سمجھتا تھا۔ بہت ساری چیزیں ہیں' جن میں آپ خاصی حماقت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔"

اگلی صبح گاؤں جاتے ہوئے ڈرائیونگ کے دوران وہ بے حد سنجیدگی سے اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ سامنے سڑک کو دیکھتی رہی۔ اسے فی الحال خود کو عقل مند ثابت کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"کیا ہو جاتا ہے تمہیں بیٹھے بٹھائے؟ کیوں اس طرح کی الٹی سیدھی باتیں سوچتی رہتی ہو؟"

وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔ امامہ کا رویہ اسے بعض دفعہ واقعی حیران کر دیتا تھا۔

"تم اب مجھ سے اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ تم مجھے اپ سیٹ کر رہے ہو۔"

اس نے سالار کی بات کا جواب دینے کے بجائے بے حد بے زاری سے اس سے کہا۔

"میں بات کروں گا۔" اس نے جواباً" اسے ڈانٹا تھا۔

"مجھے سسرال کے کپڑوں اور تحائف میں دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ میں عید پر اپنے خریدے ہوئے کپڑوں کے بجائے بیوی کے گھر سے آئے ہوئے کپڑے پہنوں گا؟ کامران' معیز اور عمار' ان میں سے کوئی بھی نہیں پہنتا سسرال کی طرف سے آئے ہوئے کپڑے۔ اپنے کپڑے خود لیتے ہیں وہ سب۔ ہاں' البتہ تمہیں اگر اس بات کا دکھ ہے کہ تمہیں تحائف نہیں ملے تو۔۔۔"

امامہ نے بے حد خفگی کے عالم میں اس کی بات کاٹی۔

"ہاں ہے مجھے اس بات کا دکھ۔۔۔ پھر۔۔۔؟"

"تو پھر یہ ہے کہ میں لے دیتا ہوں تمہیں یہ سب کچھ' پہلے بھی لے کر دیے ہیں' اب اور لے دیتا ہوں۔" سالار کا لہجہ اس بار کچھ نرم پڑا تھا۔

"تم یہ سب کچھ نہیں سمجھ سکتے۔" امامہ نے اسی انداز میں کہا۔

"ہاں ہو سکتا ہے لیکن تم بھی یہ بات سمجھ لو کہ کچھ چیزیں تم نہیں بدل سکتیں' تمہیں انہیں قبول کرنا ہے۔"

"کیا تو ہے۔"
"تو پھر اتنا رونا کیوں؟"
"سب نے محسوس کیا ہوگا کہ میری فیملی نے۔۔۔" اس نے رنجیدہ ہوتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"تم سے کسی نے کچھ کہا؟"
"نہیں۔"
"تو پھر۔۔۔؟"
"کہا نہیں، پھر بھی دل میں تو انہوں نے سوچا ہوگا؟"
"تم ان کے دلوں تک مت جاؤ، جو بات میں کہہ رہا ہوں تم صرف وہ سنو۔" سالار نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
"یہ بے معنی چیزیں ہیں۔ ایک نارمل ارینج میرج ہوئی ہوتی تو بھی میں سسرال سے کوئی تحائف لینا پسند نہ کرتا۔ میں جن کسٹمز (رواج) کو پسند نہیں کرتا، ان کی وجہ سے کوئی حسرت اور پچھتاوے بھی نہیں ہیں مجھے۔"
"تم سے زیادہ قیمتی کوئی گفٹ ہو سکتا ہے میرے لیے؟" وہ اسے اب بڑی رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کی بات سے متاثر نہیں ہو رہی ہوگی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا، اس کے لیے بھی بات تحائف کی نہیں تھی، اس احساس محرومی کی تھی جو اسے ہو رہا تھا اور جس کے لیے فی الحال وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے امامہ سے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس وسیع و عریض کمپاؤنڈ اور اس کے اندر موجود چھوٹی بڑی عمارتوں نے چند لمحوں کے لیے امامہ کو حیران کر دیا تھا۔ اس نے سالار سے اس اسکول اور دوسرے پروجیکٹس کے بارے میں سرسری سا تذکرہ سنا تھا لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام اتنا منظم اور اس سطح پر ہو رہا ہے۔
کمپاؤنڈ میں آج صرف ڈسپنسری کھلی تھی اور اس وقت بھی وہاں مریضوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ باقی عمارتوں میں لوگ نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہ عید کی تعطیلات تھیں۔
سالار کی گاڑی کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے کمپاؤنڈ میں ہلچل سی مچی تھی۔ کیئر ٹیکر اسٹاف یک دم الرٹ ہو گیا تھا۔ وہاں کام کرنے والے افراد کی اکثریت آج چھٹی پر تھی اور جو وہاں موجود تھے انہوں نے کمپاؤنڈ کے آخری کونے میں انیکسی کے سامنے گاڑی رکنے کے بعد سالار کے ساتھ گاڑی سے نکلنے والی چادر میں

ملبوس اس لڑکی کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔
انیکسی کا چوکیدار وہ پہلا آدمی تھا جسے سالار نے اپنی "بیوی" سے متعارف کرتے ہوئے اپنی شادی کے بارے میں مطلع کیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے سالار جانتا تھا کہ جب تک وہ عمارت کے دوسرے حصوں کی طرف جائیں گے، تب تک اس کی شادی کی خبر ہر طرف پھیل چکی ہوگی۔
انیکسی کے سامنے موجود لان سے گزرتے ہوئے امامہ نے بڑی دلچسپی سے اپنے قرب و جوار میں نظر دوڑائی۔ وہ انیکسی، مرکزی عمارت سے بہت فاصلے پر تھی اور وہاں بیٹھے ہوئے شاید عام دنوں میں بھی دوسری عمارتوں کے شور سے بچا جا سکتا تھا۔ ایک چھوٹی سی باڑ کے ساتھ لان اور انیکسی کی حد بندی کی گئی تھی۔ لان کا ایک حصہ سبزیوں کی کاشت کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔ دھوپ پوری طرح نہیں پھیلی تھی اور خنکی کا احساس بے حد شدید ہونے کے باوجود، امامہ کا دل کچھ دیر کے لیے کھلتی ہوئی دھوپ والے اس لان میں پڑی کرسیوں پر بیٹھنے کو چاہا تھا جو رات کی اوس سے بھیگی ہوئی تھیں۔

بہت عرصے کے بعد وہ ایسی کھلی فضا میں سانس لے رہی تھی۔ کچھ دیر کے لیے اداسی کی ہر کیفیت کو اس نے غائب ہوتے ہوئے محسوس کیا۔

"ہم یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔"

انیکسی کے برآمدے میں پہنچتے ہی اس نے سالار سے کہا جو چوکیدار سے دروازہ کھلوا رہا تھا۔

"نہیں' یہاں کچھ دیر بعد تمہیں سردی لگے گی۔ اندر لاؤنج میں بیٹھ کر بھی تمہیں باہر سب کچھ اسی طرح نظر آئے گا۔ فی الحال میں ذرا ڈسپنسری کا ایک راؤنڈ لوں گا' تمہیں اگر یہاں بیٹھنا ہے تو بیٹھ جاؤ۔" سالار نے اس سے کہا۔

"نہیں' میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اس نے فوراً" کہا تھا۔

انیکسی فرنشڈ تھی اور اس کے اندر داخل ہونے پر چند لمحوں کے لیے امامہ کو جیسے اس کے ساؤنڈ پروف ہونے کا احساس ہوا۔ اندر کچھ ایسی ہی خاموشی اسے محسوس ہوئی تھی۔

"کبھی ہم بھی یہاں رہنے کے لیے آئیں گے۔" اس نے بے اختیار کہا تھا۔

"اچھا۔" امامہ کو لگا وہ اسے بہلا رہا تھا' اس کا انداز کچھ اتنا ہی عدم دلچسپی لیے ہوئے تھا۔

دس منٹ بعد وہ اسے مرکزی عمارت اور اس سے منسلک دوسرے حصے دکھا رہا تھا۔ وہ عمارت اسے دکھانے کے ساتھ ساتھ وہاں موجود اسٹاف کو کچھ ہدایات بھی دے رہا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اس جگہ کے بارے میں معلومات اس کی انگلیوں پر ہیں۔

"وہ سب لوگ کہہ رہے ہیں مٹھائی کھلائیں جی۔" چوکیدار نے سالار کو دوسرے لوگوں کی فرمائش پہنچائی۔

"چلیں! ٹھیک ہے' آج افطار اور افطار ڈنر کا انتظام کریں۔ میں اکاؤنٹنٹ کو بتا دیتا ہوں۔" سالار نے مسکرا کر اسے کہا۔

امامہ نے نوٹس کیا تھا کہ وہ وہاں کام کرنے والے ہر شخص کے نام کے ساتھ صاحب لگا کر مخاطب کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ سنجیدہ لیکن قابل احترام بھی تھا۔ یہ تبدیلی عمر لے کر آئی تھی یا سوچ' اسے اندازہ نہیں ہوا۔

دو گھنٹے وہاں گزارنے کے بعد وہ جب اس کے ساتھ وہاں سے نکلی تو پہلی بار وہ اپنے دل میں اس کے لیے عزت کے کچھ جذبات بھی لیے ہوئے تھی۔

"یہ سب کیوں کر رہے ہو تم؟" اس نے راستے میں اس سے پوچھا تھا۔

"اپنی بخشش کے لیے۔" جواب غیر متوقع تھا مگر جواب دینے والا بھی تو سالار سکندر تھا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے رحم دل ہو۔" چند لمحے خاموش رہ کر امامہ نے اس سے کہا۔

"نہیں' رحم دل نہیں ہوں' نہ ترس کھا کر کسی کے لیے کچھ کر رہا ہوں' ذمہ داری سمجھ کر کر رہا ہوں۔ رحم دل ہوتا تو مسئلہ ہی کیا تھا۔" آخری جملہ جیسے اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"کیسے شروع کیا یہ سب کچھ؟"

وہ اسے فرقان سے اپنی ملاقات اور اس پروجیکٹ کے آغاز کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ اس کے خاموش ہونے پر اس نے جیسے سراہنے والے انداز میں کہا "بہت مشکل کام تھا۔"

"نہیں' وہ لائف اسٹائل بدلنا زیادہ مشکل تھا' جو میرا تھا۔ اس کے مقابلے میں یہ سب کچھ آسان تھا۔"

وہ چند لمحے بول نہیں سکی۔ اس کا اشارہ جس طرف تھا' وہ سب کچھ یاد کرنا تکلیف دہ تھا۔

"ہر کوئی اس طرح کا کام نہیں کر سکتا۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔

"ہر کوئی کر سکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا۔ سروس آف ہیومینٹی کسی کی چیک لسٹ پر نہیں ہوتی' میری چیک لسٹ پر بھی نہیں تھی۔ میں خوش قسمت تھا کہ آ گئی۔" وہ ہنسا۔

"تم بہت بدل گئے ہو۔" امامہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا' وہ مسکرا دیا۔

"زندگی بدل گئی تھی' میں کیسے نہ بدلتا۔۔۔ نہ بدلتا تو سسرال سے آنے والے عید کے تحائف کے انتظار میں بیٹھا ہوتا۔" اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

امامہ نے اس کے طنز کا برا نہیں مانا۔

"میں جانتی ہوں کہ میں بہت ٹیپکل ہوں۔" اس نے اعتراف کیا تھا۔

"ٹیپکل نہیں ہو' زندگی کو دیکھا نہیں ہے ابھی تم نے۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"کم از کم یہ تو نہ کہو' مجھے زندگی نے بہت کچھ دکھا اور سکھا دیا ہے۔" امامہ نے کچھ رنجیدگی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"مثلاً" کیا؟" سالار نے اس سے پوچھا۔

"کیا نہیں سکھایا زندگی نے؟ گنوا نہیں سکتی میں بہت سبق سکھائے ہیں زندگی نے مجھے۔"

"سبق سکھائے ہوں گے۔۔۔ گر نہیں۔"

امامہ نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ سیدھی باتیں کبھی بھی نہیں کرتا تھا' لیکن وہ ایسی ٹیڑھی باتیں کرنے والوں میں سے بھی نہیں تھا۔

"اچھا لگ رہا ہوں کیا؟" سڑک پر نظریں جمائے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"کیا؟" وہ اسے دیکھتے ہی بری طرح گڑبڑائی۔

"تم مجھے دیکھ رہی ہو' اس لیے پوچھ رہا ہوں۔" امامہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا پھر بے اختیار ہنس پڑی۔ اس شخص میں کوئی بات ایسی تھی جو سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ نہ کئی سال پہلے آئی تھی' نہ اب آرہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے وہ اسے واقعی بے حد اچھا لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

عید کے چاند کا اعلان عشاء سے کچھ دیر پہلے ہوا تھا اور اس اعلان کے فوراً" بعد سکندر نے ان دونوں کو ایک دو گھنٹے کے اندر اندر اپنی شاپنگ مکمل کر کے واپس آنے کے لیے کہا تھا۔ ان کا خیال تھا' چند گھنٹوں کے بعد کی نسبت اس وقت شاپنگ کرنا ان دونوں کے لیے زیادہ محفوظ رہے گا۔ انہوں نے شاپنگ نہیں کی تھی بلکہ ایک ریسٹورنٹ سے ڈنر کیا۔ اس کے بعد مہندی لگوا کر اور چوڑیاں خرید کر وہ واپس آ گئی تھی۔ سالار کم از کم آج رات واقعی محتاط تھا اور سکندر کی ہدایات کو نظر انداز نہیں کر رہا تھا' کیونکہ امامہ کے گھر میں مسلسل گاڑیوں کا آنا جانا لگا تھا اور وہ لوگ بھی ان ہی مارکیٹس میں جاتے تھے' جہاں پر سالار کی فیملی جاتی تھی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب وہ گھر پر تھے اور اس وقت گھر پر کوئی موجود نہیں تھا۔ سکندر' طیبہ کے ساتھ اپنے بھائی کے گھر پر تھے اور باقی سب لوگ اپنی فیملیز کے ساتھ باہر نکلے ہوئے تھے۔

سالار پچھلے دو گھنٹے سے مسلسل مختلف لوگوں کی فون کالز سن رہا تھا۔ یہ سلسلہ گھر آنے تک جاری تھا۔ امامہ بے زار ہونے لگی تھی۔ اس نے خود گھر سے نکلنے سے پہلے ڈاکٹر سبط علی' ان کی بیٹیوں اور سعیدہ اماں کو کال کی تھی اور اس کے بعد اس کی کالز آنا بند ہو گئی تھیں۔ سالار نے البتہ فرقان اور انیتا سے بات کرتے ہوئے اس کی بات بھی ان لوگوں سے کروائی تھی۔

"چلو کافی بناتے ہیں اور پھر فلم دیکھتے ہیں۔" سالار نے بالآخر اس کی بے زاری کو محسوس کرلیا تھا۔
"میں ہاتھ دھولوں؟" امامہ نے ہاتھوں پر لگی مہندی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں.... میں بناؤں گا کافی' تم بس میرے ساتھ کچن میں آجاؤ۔"
"تم بنالو گے؟"
"بہت اچھی۔" اس نے اپنا سیل آف کرتے ہوئے ٹیبل پر رکھا۔
مہندی لگے ہوئے دونوں ہاتھ کچن کی ٹیبل پر کہنیاں ٹکائے' وہ اسے کافی بناتے ہوئے دیکھتی رہی۔ کچن میں رکھے بلیک کرنٹ اور چاکلیٹ فج کیک کے دو ٹکڑے لے کر وہ کافی ٹرے میں رکھنے لگا تو امامہ نے کہا۔ "کچھ فائدہ ہوا میرے کچن میں آنے کا؟"
"ہاں تم نے مجھے کمپنی دی۔" اس نے ٹرے اٹھا کر اس کے ساتھ کچن سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔
"تم اکیلے بھی بنا سکتے تھے خوامخواہ مجھے ساتھ لائے۔"
"تمہیں دیکھتے ہوئے زیادہ اچھی بنی ہے۔" وہ اس کی بات پر ہنسی۔
"یہ بڑی چیپ بات ہے۔"
"اوہ رئیلی.... وہ تمہارے رومانٹک ناولز میں بھی تو ہیرو ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔" اس نے امامہ کے چہرے پر غائب ہوتی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھ کر فوراً" اپنے جملے کی تصحیح کی۔
"تم میری بکس کی بات کیوں کرتے ہو؟" وہ بگڑی۔
"اوکے.... اوکے' سوری۔" سالار نے ساتھ چلتے ہوئے' ٹرے سے ایک ہاتھ ہٹا کر اس کے گرد ایک لمحہ کے لیے حمائل کیا۔
"کون سی موویز لی تھیں تم نے؟" بیڈ روم میں آکر امامہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔
سالار نے مارکیٹ سے آتے ہوئے ایک مووی شاپ سے کچھ سی ڈیز لی تھیں۔ سی ڈی پلیئر پر مووی لگاتے ہوئے سالار نے ان موویز کے نام دہرائے۔ ریموٹ کنٹرول پکڑے وہ بیڈ سے کمبل اٹھا کر خود بھی صوفے پر آگیا تھا۔ اس کی اور اپنی ٹانگوں پر کمبل پھیلا کر اس نے کارنر ٹیبل پر پڑا کافی کا مگ اٹھا کر امامہ کی طرف بڑھایا۔
"تم پیو' پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے امامہ کو مہندی والے ہاتھوں سے مگ پکڑنے کی کوشش سے روکا۔
اسکرین پر فلم کے کریڈٹس چل رہے تھے۔ امامہ نے کافی کا گھونٹ لیا۔
"کافی اچھی ہے۔" اس نے ستائشی انداز میں مسکراتے ہوئے سراہا۔
"تھینک یو!" سالار نے کہتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اپنا مگ اٹھالیا۔
وہ اب اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔ جہاں چارلیز تھیرن نظر آرہی تھی۔ امامہ نے اس کا انہماک محسوس کیا تھا۔ وہ کچھ بے چین ہوئی۔ وہ اس ایکٹریس کے نام سے واقف نہیں تھی۔
"یہ کون ہے؟" امامہ نے اپنا لہجہ حتی المقدور نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔
"تم نہیں جانتیں؟" سالار اب کانٹے کے ساتھ کیک کا ٹکڑا اس کے منہ میں ڈال رہا تھا۔
"نہیں۔"
"چارلیز تھیرن ہے۔ میرے نزدیک دنیا کی سب سے خوب صورت عورت ہے۔" کیک امامہ کو کڑوا لگا تھا۔ وہ پھر اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔
"خوب صورت ہے نا؟" کیک کھاتے ہوئے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے امامہ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے بس۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔
"مجھے تو خوب صورت لگتی ہے۔" اسکرین پر نظریں جمائے وہ بڑبڑایا۔
امامہ کی دلچسپی اب فلم سے ختم ہو گئی تھی۔
"خوب صورت ہے' لیکن بری ایکٹریس ہے۔" چند سین گزرنے کے بعد اس نے کہا۔
"آسکر جیت چکی ہے۔" ابھی تک اس کی نظریں اسکرین پر ہی جمی تھیں۔ امامہ کو چارلیز اور بری لگی۔
"مجھے اس کی ناک اچھی نہیں لگ رہی۔" چند لمحے مزید گزرنے پر امامہ نے کہا۔
"ناک کو کون دیکھتا ہے؟" وہ اسی انداز میں بڑبڑایا۔ امامہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ سالار سنجیدہ تھا۔
"پھر...؟"
"مجھے بال پسند ہیں اس کے۔" امامہ دوبارہ اسکرین کو دیکھنے لگی۔
سالار کو بے اختیار ہنسی آئی۔ اس نے ہنستے ہوئے امامہ کو ساتھ لگایا۔
"تم ذرا بھی ذہین نہیں ہو۔"
"کیا ہوا؟" امامہ کو اس کے ہنسنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔
"کچھ نہیں ہوا... مووی دیکھو۔" کیک کا آخری ٹکڑا اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے وہ دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔
امامہ نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر سی ڈی پلیئر بند کر دیا۔
"کیا ہوا؟" وہ چونکا۔
"فضول مووی ہے' بس تم باتیں کرو مجھ سے۔" امامہ نے جیسے اعلان کیا۔
"باتیں ہی تو کر رہا ہوں... مہندی خراب ہوئی ہو گی۔" سالار نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں سوکھ گئی ہے' میں ہاتھ دھو کر آتی ہوں۔" وہ ریموٹ کنٹرول رکھتے ہوئے چلی گئی۔
چند منٹوں کے بعد جب وہ واپس آئی تو مووی دوبارہ آن تھی۔ امامہ کو آتے دیکھ کر اس نے مووی آف کر دی۔
وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ کافی پیتے ہوئے سالار نے اس کی مہندی والے ہاتھ باری باری پکڑ کر دیکھے۔
مہندی کا رنگ گہرا تو نہیں تھا' لیکن بہت کھلا ہوا تھا۔
"تمہارے ہاتھوں پر مہندی بہت اچھی لگتی ہے۔"
اس کی ہتھیلی اور کلائی کے نقش و نگار پر انگلی پھیرتے ہوئے اس نے کہا۔ وہ بلاوجہ مسکرا دی۔
"چوڑیاں کہاں ہیں؟" سالار کو یاد آیا۔
"پہنوں...؟" وہ پرجوش ہوئی۔
"ہاں..." وہ ڈریسنگ ٹیبل پر کچھ دیر پہلے بازار سے خرید کر رکھی چوڑیاں دونوں کلائیوں میں پہن کر دوبارہ اس کے پاس آگئی۔ اس کی کلائیاں یک دم سرخ چوڑیوں کے ساتھ سج گئی تھیں۔ اپنی کلائیاں سالار کے سامنے کر کے اس نے اسے چوڑیاں دکھائیں۔
"پرفیکٹ..." وہ نرمی سے مسکرا دیا۔
کمرے میں چھائی ہوئی خاموشی کو چوڑیوں کی ہلکی سی کھنک پانی کے ارتعاش کی طرح توڑنے لگی تھی۔ وہ اب اس کی چوڑیوں پر انگلی پھیر رہا تھا۔
"معجزہ لگتا ہے یہ...!" چند لمحوں بعد اس نے گہری سانس لے کر کہا۔
اپنا بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے اس نے امامہ کو خود سے قریب کیا۔ سویٹر سے نکلے اس کی سفید شرٹ

کے کالر کو ٹھیک کرتے ہوئے امامہ نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ وہ اس شخص سے محبت نہیں کرتی تھی لیکن ہار بار اس کی قربت میں ایسے ہی سکون اور تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ وجہ وہ رشتہ تھا جو ان دونوں کے درمیان تھا یا وہ زندگی جو وہ گزار کر آئی تھی یا کچھ اور۔۔۔؟ وہ نہیں جانتی تھی' لیکن ہر بار اپنے گرد اس کا بازو اسے دیوار کی طرح محسوس ہوتا تھا جو وہ اس کے گرد کھڑی کر دیتا تھا۔

"ایک بات مانو گی؟" سالار نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"کیا؟" اس کے سینے پر سر رکھے امامہ نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا۔

"وعدہ کرو پہلے۔"

"او کے۔" امامہ نے بے اختیار وعدہ کیا۔

"فلم دیکھنے دو مجھے۔" وہ بے حد خفا ہو کر اس سے الگ ہوئی۔

"میں دیکھنے کے لیے لے کر آیا ہوں امامہ!" وہ سیدھا ہوتا ہوا بولا۔

"تم دوسری موویز بھی لے کر آئے ہو' ان میں سے دیکھ لو کوئی۔"

"او کے' ٹھیک ہے۔" امامہ حیران ہوئی کہ وہ اتنی جلدی کیسے مان گیا تھا۔

سی ڈی پلیئر میں مووی تبدیل کر کے وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اب خوش؟" اس نے امامہ سے پوچھا۔

وہ مطمئن انداز میں مسکا کر دوبارہ اس کے قریب ہو گئی۔ اس کے سینے پر سر ٹکائے اس نے فلم کے کریڈٹس چلتے دیکھے۔ وہ کریڈٹس پر غور کیے بغیر دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے بہت آہستہ آہستہ تھپک رہا تھا۔ امامہ کو نیند آنے لگی اور اس کی آنکھ لگ جاتی' اگر تیسرے سین میں اسے چارلیز تھیرن اسکرین پر نظر نہ آجاتی۔

کچھ کہے بغیر اس نے سر اٹھا کر سالار کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری' تینوں موویز اسی کی ہیں۔" اس نے ایک شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دیکھنے دو یار۔" اس نے جیسے التجا کی تھی۔

امامہ نے چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد اسکرین کو دیکھا۔

"تعریف نہیں کرو گے تم اس کی۔"

"آئی پرامس۔" سالار نے بے ساختہ کہا۔

"وہ خوب صورت نہیں ہے۔" امامہ نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"بالکل بھی نہیں۔" سالار نے سنجیدگی سے تائید کی۔

"اور بری ایکٹریس ہے۔"

"بے حد۔" امامہ کو اس کی تائید سے تسلی ہوئی۔

"اور تم اسے اس طرح اب بھی نہیں دیکھو گے' جیسے پہلے دیکھ رہے تھے۔" اس بار سالار ہنس پڑا۔

"کس طرح دیکھتا ہوں میں اسے؟"

"تم دیکھتے نہیں گھورتے ہو اسے۔"

"کون ایسا نہیں کرے گا؟ وہ اتنی۔۔۔" سالار روانی میں کہتے کہتے رک گیا۔

"کہہ دو ناکہ خوب صورت ہے۔" امامہ نے اس کی بات مکمل کی۔

"میں تمہارے لیے اس کو بہن نہیں بنا سکتا۔"

"تو صرف ایکٹریس سمجھو اسے۔"

"ایکسٹرلیس ہی تو سمجھ رہا ہوں یار.... چھوٹے میں نہیں دیکھتا۔ آدھی مووی تو ویسے ہی گزر گئی ہے۔" سالار نے اس بار کچھ خفا ہو کر ریموٹ کنٹرول سے مووی آف کی۔

امامہ بے حد مطمئن انداز میں صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اب صوفے سے چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

"کمبل لے آؤ گے نا تم؟" واش روم کی طرف جاتے ہوئے امامہ نے پوچھا۔

"جی لے آؤں گا میں 'کوئی اور حکم ہو تو وہ بھی دے دیں۔"

وہ کمبل اٹھاتے ہوئے خفگی سے بڑبڑایا تھا۔

☆ ☆ ☆

سکندر نے عید کے تحفے کے طور پر اسے ایک بریسلیٹ دیا تھا اور سوائے سالار کے تقریباً" سب نے ہی اسے کچھ نہ کچھ دیا تھا۔ امامہ کا خیال تھا' وہ اس بار ضرور اسے زیور میں کوئی چیز تحفے میں دے گا۔ اسے لاشعوری طور پر جیسے انتظار تھا کہ وہ اسے کچھ دے۔ اس نے اس بار بھی اسے کچھ رقم دی تھی۔ وہ کچھ مایوس ہوئی' لیکن اس نے سالار سے شکایت نہیں کی۔ اسے عجیب لگ رہا تھا کہ وہ خود اس سے کوئی تحفہ مانگے اور اسے حیرانی تھی کہ سالار کو خود اس کا خیال کیوں نہیں آیا۔

عید کی رات شہر کے نواح میں واقع سکندر عثمان کے فارم ہاؤس میں ایک فیملی ڈنر تھا۔ وہاں سالار کی بیوی کی حیثیت سے پہلی بار وہ متعارف ہوئی تھی اور طیبہ کے تیار کرائے ہوئے سرخ لباس میں وہ واقعی ایک نئی نویلی دلہن لگ رہی تھی۔ ڈیڑھ' دو سو کے قریب وہ سب افراد سالار کی ایکسٹینڈڈ فیملی تھے۔ امامہ کو اب احساس ہوا تھا کہ سالار کا اسے اسلام آباد لانے اور اس کی شناخت کو نہ چھپانے کا فیصلہ ٹھیک تھا۔ اسے اس عزت و احترام کی اشد ضرورت تھی' جو اسے وہاں ملی تھی۔

اوپن ایریا میں باربی کیو ڈنر کے دوران اپنی پلیٹ لے کر وہ کچھ دیر کے لیے فارم ہاؤس کے برآمدے میں لکڑی کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی تھی۔ ایک ہٹ کی طرح بنا ہوا فارم ہاؤس کا وہ حصہ اس وقت نسبتاً" خاموش تھا۔ باقی افراد ٹولیوں کی صورت میں سامنے کھلے سبزے میں ڈنر کرتے ہوئے مختلف سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

"تم یہاں کیوں آ کر بیٹھ گئیں؟" امامہ کے قریب آتے ہوئے اس نے دور سے کہا۔

"ایسے ہی... شال لینے آئی تھی... پھر یہیں بیٹھ گئی۔" وہ مسکرائی۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سالار نے سوفٹ ڈرنک کا گلاس اپنی ٹانگوں کے درمیان نچلی سیڑھی پر رکھ دیا۔ امامہ لکڑی کے ستون سے ٹیک لگائے ایک گھٹنے پر کھانے کی پلیٹ ٹکائے' کھانا کھاتے ہوئے دور لان میں ایک کینوپی کے نیچے اسٹیج پر بیٹھے گلوکار کو دیکھ رہی تھی جو نئی غزل شروع کرنے سے پہلے سازندوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ سالار نے اس کا نٹا اٹھا کر اس کی پلیٹ سے کباب کا ایک ٹکڑا اپنے منہ میں ڈالا۔ وہ اب گلوکار کی طرف متوجہ تھا جو اپنی نئی غزل شروع کر چکا تھا۔

"انجوائے کر رہی ہو؟" سالار نے اس سے پوچھا۔

"ہاں" اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ غزل سن رہی تھی۔

کسی کی آنکھ پرنم ہے' محبت ہو گئی ہوگی
زباں پر قصہ غم ہے' محبت ہو گئی ہوگی

وہ بھی سوفٹ ڈرنک پیتے ہوئے غزل سننے لگا تھا

کبھی ہنسنا' کبھی رونا' کبھی ہنس ہنس کر رو دینا
عجب دل کا یہ عالم ہے' محبت ہو گئی ہوگی

"اچھا گا رہا ہے۔" امامہ نے ستائشی انداز میں کہا۔

سالار نے کچھ کہنے کے بجائے سر ہلا دیا۔

خوشی کا حد سے بڑھ جانا بھی اب اک بے قراری ہے
نہ غم ہونا بھی اک غم ہے محبت ہو گئی ہو گی

سالار سوفٹ ڈرنک پیتے ہوئے ہنس پڑا۔ امامہ نے اس کا چہرہ دیکھا' وہ جیسے کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

"تمہیں کچھ دینا چاہ رہا تھا میں۔۔۔"

وہ جیکٹ کی جیب میں سے کچھ نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بہت دنوں سے دینا چاہتا تھا میں لیکن۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔

اس کے ہاتھ میں ایک ڈبیا تھی۔ امامہ کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آئی' تو بالآخر اسے اس کا خیال آہی گیا تھا۔ اس نے ڈبیا لیتے ہوئے سوچا اور اسے کھولا۔ وہ ساکت رہ گئی' اندر ایئر رنگز تھے۔ ان ایئر رنگز سے تقریباً" ملتے جلتے جو وہ اکثر اپنے کانوں میں پہنے رکھتی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر سالار کو دیکھا۔

"میں جانتا ہوں' یہ اتنے ویلیو ایبل تو نہیں ہوں گے جتنے تمہارے فادر کے ہیں۔۔۔ لیکن مجھے اچھا لگے گا اگر کبھی کبھار تم انہیں بھی پہنو۔"

ان ایئر رنگز کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"تم نہیں پہننا چاہتیں تو بھی ٹھیک ہے۔۔۔ میں ریپلیس کرنے کے لیے نہیں دے رہا ہوں۔"

سالار نے اس کی آنکھوں میں نمودار ہوتی نمی دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ بہت ساری چیزیں پہلے ہی اپنی جگہ بدل چکی ہیں۔ اس کی خواہش اور ارادے کے نہ ہونے کے باوجود۔

کچھ کہنے کے بجائے امامہ نے اپنے دائیں کان میں لٹکتا ہوا جھمکا اتارا۔

"میں پہنا سکتا ہوں؟"

سالار نے ایک ایئر رنگ نکالتے ہوئے پوچھا۔ امامہ نے سر ہلا دیا۔ سالار نے باری باری اس کے دونوں کانوں میں وہ ایئر رنگز پہنا دیے۔

وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ وہ بہت دیر تک مبہوت سا اسے دیکھتا رہا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

وہ اس کے کانوں میں لٹکتے' ہلکورے کھاتے' موتی کو چھوتے ہوئے مدھم آواز میں بولا۔

"مجھ سے زیادہ کوئی تم سے محبت نہیں کر سکتا' کوئی مجھ سے زیادہ تمہاری پروا نہیں کر سکتا' مجھ سے زیادہ خیال نہیں رکھ سکتا تمہارا۔ میرے پاس تمہارے علاوہ کوئی قیمتی چیز نہیں ہے۔"

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اس سے کہہ رہا تھا' وعدہ کر رہا تھا یا یاددہانی کرا رہا تھا' کچھ جتا رہا تھا۔ وہ جھک کر اب اس کی گردن چوم رہا تھا۔

"مجھے نوازا گیا ہے۔" سیدھا ہوتے ہوئے اس نے امامہ سے کہا۔

"رومانس ہو رہا ہے؟" اپنے عقب میں آنے والی کامران کی آواز پر وہ ٹھٹکے تھے۔ وہ شاید شارٹ کٹ کی وجہ سے برآمدے کے اس دروازے سے نکلا تھا۔

"کوشش کر رہے ہیں۔" سالار نے پلٹے بغیر کہا۔

"گڈ لک۔۔۔" وہ کہتا ہوا اور ان کے پاس سے سیڑھیاں اترتا ہوا انہیں دیکھے بغیر چلا گیا۔

امامہ کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ وہ جھینپ گئی تھی۔ سالار اور اس کی فیملی کم از کم ان معاملات میں بے حد

آزاد خیال تھے۔

کسی کو سامنے پاکر' کسی کے سرخ ہونٹوں پر
انوکھا سا تبسم ہے' محبت ہوگئی ہوگی

امامہ کو لگا کہ وہ زیر لب گلوکار کے ساتھ گنگنا رہا ہے۔

جہاں ویران راہیں تھیں' جہاں حیران آنکھیں تھیں
وہاں پھولوں کا موسم ہے' محبت ہوگئی ہوگی

لکڑی کی ان سیڑھیوں پر ایک دوسرے کے پاس بیٹھے' وہ خاموش کو توڑتی' آس پاس کے پہاڑوں میں گونج کی طرح پھیلتی گلوکار کی سریلی آواز کو سن رہے تھے۔ زندگی کے وہ لمحے یادیں بن رہے تھے۔ دوبارہ نہ آنے کے لیے گزر رہے تھے۔

ان کے اپارٹمنٹ کی دیوار پر لگنے والی ان دونوں کی پہلی اکٹھی تصویر' اس فارم ہاؤس کی سیڑھیوں ہی کی تھی۔ سرخ لباس میں گولڈن کڑھائی والی سیاہ پشمینہ شال اپنے بازوؤں کے گرد اوڑھے' کھلے سیاہ بالوں کو کانوں کی لوؤں کے پیچھے کیے' خوشی اس کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک میں نہیں جھلک رہی تھی' بلکہ اس قرب میں تھی' جو اس کے اور سالار کے درمیان نظر آرہا تھا۔ سفید شرٹ اور سیاہ جیکٹ میں اسے اپنے ساتھ لگائے سالار کی آنکھوں کی چمک جیسے اس فوٹو گراف میں موجود ہر شے کو مات کر رہی تھی۔ کوئی بھی کیمرے کے لیے بنائے ہوئے اس ایک پوز میں نظر آنے والے کپل کو دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ضرور ٹھٹکتا۔

سکندر نے اس فوٹو گراف کو فریم کروا کر انہیں ہی نہیں بھیجا تھا' بلکہ انہوں نے اپنے گھر کی فیملی وال فوٹوز میں بھی اس تصویر کا اضافہ کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

لاہور واپسی پر عید ڈنرز کا ایک لمبا سلسلہ تھا' جو شروع ہوگیا۔ وہ امامہ کو اپنے سوشل اور بزنس سرکل میں متعارف کروا رہا تھا اور وہ اس سرکل میں اچانک بہت حواس باختہ ہونے لگی تھی۔ وہ کارپوریٹ سیکٹر' بینکرز اور بزنس ٹائیکونز کی فیملیز پر مشتمل تھا۔ پاکستان کی امیر ترین اور شاید گمراہ ترین کلاس' ہائی کلاس پروفیشنلز۔۔۔ جو ایک کو دو اور دو کو چار نہیں کرتے تھے' بلکہ ایک کو سو اور سو کو لاکھ کرنے کے گر سے آگاہ تھے اور بینکنگ سیکٹر کی کریم۔۔۔ جن کی بیوی' فیانسی' گرل فرینڈ اور سیکریٹری میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ صرف دوسروں کے لیے ہی نہیں خود ان کے اپنے لیے بھی' اپنے ساتھ لے کر آنے والی عورت سے اس کا رشتہ جو بھی ہوتا' ان فنکشنز میں ان عورتوں کا کام ایک ہی ہوتا تھا۔ وہ اپنی خوب صورتی' بے تکلفی اور گرم جوشی سے' اپنے نیم عریاں لباس' اپنی زبان اور آواز کی مٹھاس سے' اپنے بلند و بانگ قہقہوں سے اور اپنی اداؤں سے اپنے شوہر' منگیتر' بوائے فرینڈ یا باس کے بزنس کانٹیکٹس میں اضافہ کرتی تھیں۔ Trophy Wife والے شوہر کامیابی کی سیڑھیاں تیزی سے طے کرتے تھے۔

عید کے چوتھے دن وہ اسے پہلی بار اپنے ہی بینک کی طرف سے دیے گئے عید کے ڈنر میں لے کر گیا تھا اور ایک بڑے ہوٹل میں ہونے والے اس ڈنر میں جاتے ہی امامہ کو پسینہ آنے لگا تھا۔ گیدرنگ کا ایک بڑا حصہ غیر ملکی مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا اور وہ اگر ایوننگ گاؤنز اور اسکرٹس میں ملبوس تھیں تو وہ حیرت کا شکار نہیں ہوئی تھی لیکن اسے نروس کرنے والی چیز ان دوسری خواتین اور بیگمات کا حلیہ تھا جو پاکستانی تھیں۔ وہ فیملی ڈنر تھا۔ کم از

کم سالار اسے یہ ہی بتا کر وہاں لایا تھا' لیکن وہاں آنے والی فیملیز کون تھیں' یہ اس نے اسے نہیں بتایا تھا۔
گہرے گلے والے اور بغیر آستین والے مختصر بلاؤزز' بیک لیس گاؤنز' اسٹرنگی ٹاپس اور آف دا شولڈر ڈریسز میں ملبوس' پاکستان کی خاندانی خوب صورت عورتوں کا اتنا بڑا مجمع اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
چند لمحوں کے لیے اسے لگا تھا جیسے وہ مس ورلڈ کے مقابلہ حسن میں آگئی ہو۔ وہاں موجود عورتیں بیس سے ساٹھ سال تک کی عمر کے درمیان تھیں اور یہ ہی طے کرنا سب سے زیادہ مشکل تھا کہ کون عمر کی کس سیڑھی پر کھڑی ہے۔ سگریٹ پیتے ہوئے ہاتھ میں ڈرنکس لیے' وہ گرم جوشی اور بے تکلفی کے ساتھ مختلف مردوں سے گلے ملتے ہوئے گفتگو میں مصروف تھیں۔ شیفون کے لباس کے اوپر دوپٹا اوڑھے امامہ کو اپنا آپ الوبا ناٹا لگا۔
وہاں کھڑے اس نے جیسے خود کو جانچنا شروع کر دیا تھا اور وہیں کھڑے اس نے پہلی بار سالار اور اپنے حلیے کے فرق کو بھی کو نوٹس کیا تھا۔ ایک برانڈڈ سیاہ ڈنر سوٹ میں سرخ دھاری دار ٹائی کے ساتھ وہ بالکل اس ماحول کا حصہ لگ رہا تھا' گرومڈ اور پولشڈ۔ وہاں کھڑے اس پر یہ ہولناک انکشاف بھی ہوا کہ اس کا حلیہ سالار کی اس لک کے ساتھ میچ نہیں کرتا۔
وہ اوڈ کپل تھے۔ اسے احساس کمتری کا دوسرا دورہ بڑی غلط جگہ اور بڑے ہی غلط وقت پر پڑا تھا۔
وہ اس کا تعارف باری باری مختلف لوگوں سے کروا رہا تھا اور امامہ اس پذیرائی اور گرم جوشی پر حیران تھی' جو اسے مل رہی تھی۔ پھر یک دم اسے احساس ہونے لگا کہ اس گرم جوشی کی وجہ بھی سالار سکندر تھا۔ یہ پروٹوکول مسز سالار سکندر کے لیے تھا۔ امامہ ہاشم کے لیے نہیں۔ یہ ٹیگ جس کے گلے میں بھی لٹکا ہوتا' اسے یہ ہی پروٹوکول ملتا۔ چاہے اس کا حلیہ اس سے بھی بدتر ہوتا' اس کا احساس کمتری پارے کی طرح اوپر جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ پی آر میں ہونے کی وجہ سے اتنا سوشل ہے۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا شوہر پاکستان میں بینک کے چند کلیدی عہدوں میں سے ایک پر براجمان تھا اور اس کے پاس آنے والے لوگوں کی خوش اخلاقی اور گرم جوشی دکھانے کی وجوہات کچھ اتنی فطری نہیں تھیں۔
سالار کے ساتھ کھڑے اسے اپنے ہی حلیے کی چند اور خواتین بھی بالآخر اس مجمع میں نظر آگئی تھیں اور ان کی موجودگی نے اسے کچھ حوصلہ دیا کہ اس جیسے اور بھی اوڈ کپلز وہاں موجود تھے۔
"ڈرنک پلیز!" مشروبات کی ٹرے پکڑے ویٹر نے بالکل اس کے پاس آکر اس سے کہا۔ وہ چونکی اور اس نے ٹرے پر نظر دوڑائی۔ وائن گلاس میں ایپل جوس تھا۔ اس نے ایک گلاس اٹھا لیا۔ ویٹر اب ان کے ارد گرد کھڑے چند غیر ملکی افراد کو ڈرنکس پیش کر رہا تھا۔
اپنے سامنے کھڑے ایک غیر ملکی جوڑے سے باتیں کرتے ہوئے سالار نے بے حد غیر محسوس انداز میں امامہ کو دیکھے بغیر' اس کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔ وہ چونک اٹھی۔ ایک لمحہ کے لیے اسے خیال آیا کہ وہ شاید خود پینا چاہتا ہے لیکن اس کا گلاس ہاتھ میں لیے وہ اسی طرح اس جوڑے سے باتیں کرتا رہا۔ ویٹر دائرے میں کھڑے تمام افراد کو سرو کرتے ہوئے سالار کے پاس آیا۔ سالار نے امامہ کا گلاس بے حد غیر محسوس انداز سے ٹرے میں واپس رکھتے ہوئے ویٹر سے کہا۔
"سوفٹ ڈرنکس پلیز!"
امامہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ ٹرے میں رکھا اپنا گلاس اس نے دور جاتے دیکھا۔ پھر اس نے سالار کو دیکھا۔ وہ اب بھی ان کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ ویٹر چند لمحوں کے بعد ایک دوسری ٹرے لیے موجود تھا۔ اس بار اس کے گلاس اٹھانے سے پہلے ہی سالار نے ایک گلاس اٹھا کر اسے دیا اور دوسرا خود پکڑ لیا۔
"اوہ۔ ہیلو۔ سالار!" وہ چالیس' پینتالیس سال کی ایک عورت تھی' جس نے سالار کے قریب آتے ہوئے

اس سے ہاتھ ملایا اور پھر بے حد دوستانہ انداز میں بے تکلفی کے ساتھ اس کے بازو پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ وہاں موجود دوسرے مردوں کی طرح عورتوں سے گلے نہیں مل رہا تھا لیکن ان میں سے کچھ عورتوں سے ہاتھ ملا رہا تھا اور کئی عورتیں اس سے بات کرتے ہوئے اسی طرح بے تکلفی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیتی تھیں۔ امامہ کے لیے فی الحال اتنا کچھ ہضم کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ سب وہ ہضم کر لیتی اگر ان کا لباس اتنا قابل اعتراض نہ ہوتا۔

"مجھے کسی نے تمہاری بیوی کے بارے میں بتایا۔ یہ میرے لیے ایک بڑی خبر ہے۔ کب شادی کی تم نے؟"

وہ عورت اب اس سے کہہ رہی تھی۔ سالار نے جواباً" بے حد شائستگی سے امامہ سے اس کا تعارف کروایا۔ مسز لئیق نے اس سے ملتے ہوئے اسے ڈنر پر مدعو کیا۔ سالار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کوئی دن طے کیے بغیر دعوت قبول کر لی۔ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے اسے ایسے ہی کئی دعوتیں اسی طرح قبول کرتے دیکھ چکی تھی۔ مسز لئیق اب گروپ میں کھڑے دوسرے لوگوں کے ساتھ ہیلو ہائے میں مصروف تھیں۔ تب اس نے اپنے عقب میں کسی کو دیکھ کر سالار کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"ہائے رمشا!"

امامہ نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔

"او ہائے..." رمشا بھی مسکراتے ہوئے اس کی طرف آئی۔

سالار نے دونوں کا ایک دوسرے سے متعارف کروایا۔ رمشا بڑی خوش دلی سے اس سے ملی۔

"بڑی لکی ہیں آپ... اگر آپ اسے پہلے نہ ملی ہوتیں تو اس بندے سے میں نے شادی کرنی تھی۔" رمشا نے بڑی بے تکلفی سے امامہ سے کہا۔ "بس... کچھ دیر ہو گئی مجھے سالار سے ملنے میں۔"

وہ بھی جواباً" خوش دلی سے ہنسا تھا۔

"ولیمہ کب ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"بیس تاریخ کو اسلام آباد میں۔" وہ سالار سے کہہ رہی تھی۔

امامہ نے اس بار سالار کو اسے ٹالتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ملاقات طے کر رہا تھا۔ اس کے پاس آنے والی وہ پہلی لڑکی تھی، جس کے ساتھ سالار کا رویہ کچھ زیادہ بے تکلفی لیے ہوئے تھا۔ رمشا گروپ میں موجود دوسرے لوگوں سے ملنے کے بعد ہال میں موجود دوسرے لوگوں کی طرف جا رہی تھی۔ امامہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔

☆ ☆ ☆

"کوئی بات کرو۔" وہاں سے واپسی پر سالار نے اس کی خاموشی محسوس کی۔

"کیا بات کروں؟"

"کوئی بھی۔" وہ پھر خاموش ہو گئی۔

"عجیب لوگ تھے سارے۔" کچھ دیر بعد سالار نے اسے بڑبڑاتے ہوئے سنا۔ وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"عجیب کیوں؟"

"تمہیں عورتیں، اس طرح کے لباس میں یہ سب کرتی ہوئی اچھی لگتی ہیں؟" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم نے وہ پہنا جو تمہیں اچھا لگا اور انہوں نے بھی وہ ہی پہنا، جو انہیں پسند تھا۔"

اس نے بے یقینی سے سالار کو دیکھا۔ کم از کم وہ اس سے ایسے جواب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ "تمہیں کچھ برا

نہیں لگا؟"

"میرے لیے وہ سب ریسپیکٹ ایبل لوگ تھے۔ کچھ میرے کلائنٹس تھے' کچھ کو میں ویسے ہی جانتا ہوں۔"

"تمہیں برا کیوں لگے گا سالار... تم مرد ہو' تمہیں تو بہت اچھا لگے گا' اگر تمہیں عورتیں اس طرح کے کپڑوں میں نظر آئیں گی۔"

بات کرتے ہوئے اسے اندازہ نہیں ہوا کہ اس کا جملہ کتنا سخت تھا۔ سالار کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"میں ایسی گیدرنگز میں مرد بن کر نہیں جاتا' مہمان بن کر جاتا ہوں اور مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے کہ کس نے کیا پہنا ہے اور کیا نہیں... میرے لیے ہر عورت بغیر اپنے پہناوے کے قابل احترام ہے۔ میں لباس کی بنا پر کسی کا کردار نہیں جانچتا... اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے دوپٹا لیا ہوا ہے تو تم قابل عزت ہو... اور وہ عورت جو ایک قابل اعتراض لباس پہنے ہوئے ہے وہ قابل عزت نہیں ہے۔ تو تم بالکل غلط ہو۔"

وہ بول نہیں سکی۔ سالار کے لہجے میں اتنے دنوں میں اس نے پہلی بار ترشی محسوس کی تھی۔

"تمہیں کیسا لگے گا اگر کوئی تمہارے پردے کی وجہ سے تمہارے بارے میں یہ ہی بات کہے' جیسی تم ان کے بارے میں کہہ رہی ہو۔"

"تم ان کی حمایت کیوں کر رہے ہو؟" وہ جھنجلائی۔

"میں کسی کی حمایت نہیں کر رہا' صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں کرتے' یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"تمہیں یہ سب پسند ہے؟" وہ اس کے سوال پر ہنسا تھا۔

"یہ ایشو نہیں ہے۔ مجھے یہ سب اپنی زندگی کے لیے پسند نہیں ہے لیکن مجھے ایسے ڈنر میں اس لیے جانا پڑتا ہے' کیونکہ مجھے اپنی جاب کی وجہ سے کسی حد تک سوشل رہنا ہے' لیکن میں کسی گیدرنگ میں جاکر یہ طے نہیں کرتا پھرتا کہ ان میں سے کتنے لوگ دوزخ میں جائیں گے اور کتنے جنت میں۔ مجھے جن سے ملنا ہوتا ہے' ملتا ہوں' کھانا کھاتا ہوں اور آجاتا ہوں۔ میں اپنے سر پر دوسروں کے اعمال کا بوجھ لے کر نہیں آتا۔" وہ اپنی زندگی کی فلاسفی سے اسے پھر حیران کر رہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" سالار نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔

"اگر میں تمہاری زندگی میں نہ آتی اور تمہیں شادی کرنی ہوتی تو اس طرح کی لڑکیوں سے کرلیتے' جو آج وہاں تھیں؟"

وہ رمشا کا نام لینا چاہتی تھی لیکن اس نے نہیں لیا۔ وہ خود بھی جان نہیں پائی کہ اس نے یہ سوال سالار سے کیا سننے کے لیے کیا تھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں پردہ کرنے والی یا پردہ نہ کرنے والی لڑکی میں کس سے شادی کرتا۔" سالار نے براہ راست سوال کردیا۔

وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی' وہ واقعی یہ ہی پوچھنا چاہتی تھی۔

"آنسٹلی تمہیں ایک بتاؤں... میں کسی عورت کا صرف پردہ دیکھ کر اس سے شادی نہ کرتا۔ کسی عورت کا پردہ کرنا یا نہ کرنا شاید میرے لیے اتنا اہم نہیں ہے' جتنا اس میں کچھ دوسری خوبیوں کا ہونا۔" اسے آج شاک پر شاک لگ رہے تھے۔

"اگر ایک عورت اللہ کے احکامات پر عمل کرتی ہے' سر اور جسم چھپاتی ہے' اچھی بات ہے لیکن میں اس ایک چیز کے علاوہ بھی اس عورت میں کچھ اور خوبیاں چاہتا' جس سے میں نے شادی کرنی ہوتی۔"

"کیسی خوبیاں؟" اسے تجسس ہوا تھا۔

"صبر و برداشت اور اطاعت۔" وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

"یہ دونوں نادر کوالٹیز ہیں۔۔۔ باقی سب کچھ ہوتا ہے لڑکیوں میں۔۔۔ ڈگریز اور لک۔۔۔ اور مینرزم اور پردہ بھی۔۔۔ لیکن یہ دو کوالٹیز ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔" اگر اسے کوئی زعم تھا تو ختم ہو گیا تھا۔ وہ جن دو خوبیوں کو اپنی ترجیح بتا رہا تھا' وہ اس میں بھی نہیں تھیں۔ یا کم از کم سالار کے لیے فی الحال نہیں تھیں۔ وہ وہاں بیٹھے بیٹھے جیسے اپنا تجزیہ کر رہی تھی۔

"میں کیوں اچھی لگی تمہیں؟" اس نے بالآخر اس سے پوچھ ہی لیا۔

"خالی پردہ تمہیں امپریس نہیں کرتا۔ تحمل اور اطاعت تو میں نے بھی تمہیں کبھی نہیں دکھائی۔۔۔ پھر۔۔۔؟"

"پتا نہیں' یہ وہ سوال ہے جس کا جواب مجھے کبھی نہیں ملا۔ ایک بار نہیں' کئی بار میں نے اپنے آپ سے یہ ہی ایک بات پوچھی ہے۔ تمہیں ناپسند کرنے کی بے شمار وجوہات بتا سکتا ہوں' لیکن پسند کرنے کے لیے میرے پاس کوئی ایک بھی وجہ نہیں۔ میرا مطلب ہے کوئی منطقی جواز۔" وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"پہلے تم مجھے intrigue کرتی تھیں۔ پھر تم مجھے irritate کرنے لگیں۔ اس کے بعد تم مجھے haunt کرنے لگیں۔۔۔ پھر میں تم سے جیلس ہونے لگا۔۔۔ پھر envy کرنے لگا۔۔۔ اور پھر محبت۔۔۔" وہ جیسے قدرے بے بسی سے ہنسا۔

"ان ساری اسٹیجز میں صرف ایک چیز کامن تھی۔ میں تمہیں کبھی بھی اپنے ذہن سے نکال نہیں سکا۔ مجھے تمہارا خیال آتا تھا اور آتا رہتا تھا اور بس میرا دل تمہاری طرف کھنچتا تھا۔ خوار جو کرنا تھا اللہ نے مجھے' میری اوقات بتا کر۔ بس اور کوئی بات نہیں تھی۔ اس لیے یہ تو کبھی پوچھو ہی مت کہ کیوں اچھی لگی تھیں تم مجھے۔" وہ محبت سے زیادہ بے بسی کا اظہار تھا اور اظہار سے زیادہ اعتراف۔

"اور اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا تو پھر تم میرے بجائے کسی اور لڑکی سے شادی کرتے' مثلاً "رمشا سے۔"

سالار نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر بے اختیار ہنسا۔

"تو یہ سوال رمشا کی وجہ سے ہو رہے تھے۔ یو آر سلی۔"

"تمہیں پسند ہے نا وہ؟" وہ اس کی ہنسی اور تبصرہ نظرانداز کر کے سنجیدہ ہی رہی۔

"ایک دوست اور کولیگ کے طور پر۔" سالار نے کہا۔

امامہ نے جواباً" کچھ نہیں کہا۔ سالار کو لگا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

"کیا ہوا؟" سالار نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ تمہارے ساتھ کھڑی وہ بہت اچھی لگی تھی مجھے اور پھر۔۔۔"

"بعض دفعہ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے بہت سے لوگ اچھے لگتے ہیں' حتیٰ کہ دو دشمن بھی ساتھ ساتھ کھڑے اچھے لگتے ہیں۔ اس سے کیا ہوتا ہے؟" سالار نے اس کی بات کاٹی۔

"کچھ نہیں۔۔۔ ایسے ہی خیال آیا تھا۔"

"میں' تمہارے ساتھ بہت خوش ہوں امامہ! یہ میری زندگی کا سب سے اچھا وقت ہے۔ فی الحال دنیا میں اور کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کی مجھے کمی محسوس ہو رہی ہو۔ اس لیے تم اپنے اندازوں اور خیالوں سے باہر آجاؤ۔ ڈنرز میں جاؤ' کھانا کھاؤ' لوگوں سے گپ شپ کرو۔ اینڈ دیٹس اٹ۔ اس دنیا کو اپنے ساتھ گھر لے کر مت آؤ۔"

اس رات سونے سے پہلے ناول پڑھتے ہوئے وہ سالار کے ساتھ ہونے والی اسی گفتگو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا تھا۔ ناول سے نظریں ہٹا کر وہ سالار کو دیکھنے لگی' وہ اپنے کام میں

منہمک تھا۔

"سالار...." اس نے کچھ دیر کے بعد اسے مخاطب کیا۔

"ہاں...." اسی طرح کام کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم اچھے انسان ہو ویسے۔" اس کی تعریف کرتے ہوئے وہ عجیب سی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

"اچھا...." وہ اسی طرح مصروف تھا۔ کسی ردعمل کے اظہار کے بغیر ای میل کرتے ہوئے 'امامہ کو لگا کہ شاید اس نے اس کی بات غور سے نہیں سنی تھی۔ "میں نے تمہاری تعریف کی ہے۔" اس نے دہرایا۔

"بہت شکریہ۔" اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی سرسری تھا۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔" اس کا اتنا نارمل رہنا ہے 'امامہ سے ہضم نہیں ہوا تھا۔

"کس چیز سے؟" وہ چونکا۔

"میں نے تمہاری تعریف کی۔"

"اور میں نے تمہارا شکریہ ادا کر دیا۔"

"لیکن تمہیں اچھا نہیں لگا؟" وہ کچھ متجسس تھی۔

"کیا اچھا لگتا مجھے۔ میری باتیں سن کر اچھا آدمی کہہ رہی ہو' عمل دیکھ کر کہتیں 'تب خوشی ہوتی مجھے اور فی الحال میں ایسا کوئی عمل تمہیں پیش نہیں کر سکتا۔"

امامہ بول نہیں سکی' وہ پھر اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔

وہ کچھ دیر چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتی رہی' پھر اس نے کہا۔

"تم نے میرے ہاتھ سے وہ ڈرنک کیوں لے لی تھی؟" اسے اچانک یاد آیا تھا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم مجھے شوٹ کر دو۔" وہ اس کے بے تکے جواب پر حیران ہوئی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"شراب تھی وہ۔" وہ ہل نہیں سکی۔

"سوری...." سالار نے اسکرین سے نظریں ہٹاتے ہوئے اس سے معذرت کی۔ امامہ کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

"ان پارٹیز میں ہارڈ ڈرنکس بھی ہوتے ہیں' سوشل ڈرنک سمجھی جاتی ہے وہاں۔" وہ سنجیدگی سے اسے بتاتے ہوئے دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

امامہ کا دل یک دم جیسے ہر چیز سے اچاٹ ہوا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار شراب دیکھی تھی۔ اس نے شراب ہاتھ میں لی تھی۔ اگر وہ سالار کے ساتھ کھڑی نہ ہوتی تو شاید پی بھی لیتی۔ اس کا شوہر ان پارٹیز میں جانے کا عادی تھا اور ان پارٹیز میں وہ کہاں تک ایسی چیزوں سے اجتناب کرتا تھا یا کر پاتا تھا۔ اس کا اعتماد پھر ٹرخنے لگا تھا۔

وہ چند ہفتوں میں کسی کا کردار نہیں جانچ سکتی تھی۔ وہ بھی تب' جب وہ اسے شادی کے اس پہلے مہینے میں مکمل طور پر متاثر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

چند لمحے پہلے دل میں سالار کے لیے نمودار ہونے والا احترام سیکنڈز میں غائب ہوا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)